رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

اے لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء نمبر ۱

فہرست مضامین

چندہ سالانہ ....

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہبِ عالم پر نظر

جلد ۴

از جنوری ۱۹۰۵ء لغایت دسمبر ۱۹۰۵ء

ایڈیٹر .... محمد علی

مقام اشاعت - دار الامان قادیان ضلع گورداسپور

قیمت عہ - باہتمام چودھری اللہ داد میگزین پریس میں منیجر میگزین کیلئے طبع ہوا

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز جلد ۴

اعلان

وقت کی قدر و قیمت یا تو وہ دنیا دار کر سکتے ہیں جن کو بعض امور وقت مقررہ پر کرنے پڑتے ہیں یا دیندار جو نماز کی پابندی کی قدر کرتے اور سمجھتے ہیں کہ نماز موقت فرض کی گئی ہے عبار و ابر کے دن شناخت وقت نماز میں اور تہجد خوان کو تعین وقت آخری شب میں اور مریض شب بیدار کو رات کی درازی و کوتاہی غیر معلوم ہونے میں اور ریلوے مسافر کو ریلوے ٹائم سے بچھڑنے میں اور مدرس و کلرک کو سکول و دفتر کے وقت سے پیچھے رہ جانے میں بسا اوقات سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ آجکل خدا تعالے نے محض اپنے فضل و امتنان سے گھڑی کا ایجاد انسانی ہاتھوں سے کرا کر ان ساری دقتوں کو رفع کر دیا ہے اگر توفیق رفیق ہو تو گھڑی جیسا رفیق مومن کیلئے خداداد نعمتوں سے کوئی نہیں ہے ہم نے اس غرض سے ایک عمدہ ولایتی کارخانہ کے معتبر ایجنٹ کے ذریعہ عمدہ و پائدار گھڑیاں منگوائی ہیں۔ جس کو مضبوط و پائدار گھڑی کی ضرورت ہو ہم سے بذریعہ وی پی منگوا لے ہر گھڑی کے ہمراہ شیشہ و کمانی زائد اور گارنٹی ملیگی محصول ہمارے ذمہ ہے۔ گھڑیوں کی فہرست بطور اختصار حسب ذیل ہے درخواست بحوالہ نمبر گھڑی آنی چاہئے

گھڑی نمبر (۱) نئی وضع مضبوط پرزے پختہ گارنٹی ۴ سال وقت صحیح بتاتی ہے۔ قیمت اعلےٰ ۸ ادنیٰ [illegible]

گھڑی نمبر (۲) ریلوے ریگولیٹر رنگدار ڈائل خوبصورت گارنٹی ۵ سال۔ قیمت [illegible] لوز [illegible]

گھڑی نمبر (۳) خوشنما پرزے پختہ نیا فیشن قابل دید ہے گارنٹی ۶ سال قیمت [illegible] روپیہ

گھڑی نمبر (۴) تمام چاندی کی جنیوا واچ خوبصورت گارنٹی ۶ سال قیمت اعلےٰ [illegible] ادنیٰ [illegible]

جملہ درخواستیں گھڑی کے متعلق بنام محمد فضل خان چنگوی احمدی بمقام قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جسمیں فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسی قدر اضافہ کیا ہے خوشخط و عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۸ / ہے۔ درخواستیں اس پتہ پر ہوں

سیٹھ عبد الاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پردہ

اسلامی پردہ کے حدود

پردہ کا سوال اس وقت ہر طرف پوچھا جا رہا ہے لیکن جہانتک ہم نے غور کیا ہے اِس مضمون پہ باوجود کثرت مباحثات کے پوری روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ اور نہ ہی مذہبی پہلو سے اس پر سیر کن بحث ابتک ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ نمبر میں ذکر کیا تھا ہندوستان میں ایک طرف تو وہ مسلمان موجود ہیں جو خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی دُنیوی ترقی اُنکی عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ بطور لازم ملزوم کے وابستہ ہے۔ لیکن ہم ابھی تک اس تعلق کے ثبوت کے منتظر ہیں۔ اور وہ دلائل سننا چاہتے ہیں جن پر یہ دعوے مبنی ہے۔ دوسری طرف اہل اسلام کا وہ فریق ہے جن کے خیال میں ہندوستان کا مروجہ پردہ صحیح اور اسلامی پردہ ہے۔ اور اُن کے نزدیک ایک سرمو کے برابر بھی اس سے انحراف کرنا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہے گویا فریق اول تو اسی امر پر مصر ہے۔ کہ جس آزادی اور بیقیدی سے یوروپ کی عورتیں غیر محرم مردوں کے سامنے آتی جاتی اور اُن سے ملتی جلتی ہیں ویسی ہی آزادی ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو بھی دینی چاہئے اور فریق ثانی اس بات کا خواہاں ہے۔ کہ عملی طور پر عورتوں کو باہر نکلنے سے یا کاروبار کرنے سے قطعاً ممانعت ہونی چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم اور ترقی کو اُن کے غیر محرموں کے ساتھ میل جول رکھنے اور بیقیدی سے باہر پھرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے انگلستان اور یورپ کے بہت سارے دوسرے ملکوں میں عورتیں کبھی مستور نہیں رہیں لیکن اس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ ابتدا سے ہی ان ممالک کی عورتوں نے علوم میں ترقی حاصل کر لی ہو۔ بلکہ اُن کے درمیان تعلیم کا رواج بہت تھوڑے عرصہ سے شروع ہوا ہے اگر ہندوستان کی مسلمان اقوام کو ہی دیکھا جاوے تو اُن میں ۸۰ فیصدی ایسے لوگ ہونگے جو پردہ کے پابند نہیں لیکن کیا یہ سچ ہے کہ ان قوموں نے جن میں پردہ کا رواج نہیں پردہ کی پابند اقوام کی

نسبت علوم اور تہذیب میں بڑھ کر ترقی حاصل کر لی ہے ہرگز نہیں بلکہ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر کچھ ترقی ہندوستان کے مسلمانوں نے کی ہے تو صرف اُنہیں لوگوں نے جو پردہ کے پابند ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ پردہ کا رواج مسلمانان ہند کے اعلےٰ طبقات میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نئی تہذیب اور تعلیم کی روشنی سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ پردہ کی منسوخی کے مجوزوں کے دلائل اُس وقت دلکش معلوم ہو سکتے تھے جبکہ ہندوستان کے اندر موجودہ حالت سے برعکس حالت نظر آتی یعنی پردہ کی پابند اقوام تنزل کی حالت میں ہوتیں۔ اور وہ جنمیں پردہ کا رواج نہیں تہذیب اور تعلیم میں ان سے فوقیت لیجاتیں موجودہ صورت میں اگر کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہو گا کہ جبتک اُن اقوام کو جن میں پردہ کا رواج نہیں ہے اُسی قسم کے تحت پردے کے نیچے نہ لایا جاویگا جیسا کہ اعلےٰ طبقہ کے مسلمانوں میں مروج ہے وہ کوئی ترقی نہیں کر سکینگی لیکن ان واقعات سے ایسا نتیجہ نکالنا ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ بعض آزاد خیال مسلمانوں کا اقوام یوروپ کو دیکھ کر یہ خیال دل میں جما لینا کہ ہم اس ترقی کے معراج پر کبھی نہیں پہنچ سکتے جہاں یوروپ پہنچا ہوا ہے جبتک کہ اپنی مستورات کو یوروپ کی عورتوں کی طرز پر بیقیدی اور بے پردگی کی راہوں میں نہ چلاوینگے ہماری سمجھ میں یہ دونوں نتیجے ایک ہی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اول الذکر نتیجہ اس لحاظ سے زیادہ قابل وقعت ہے کہ اسمیں ایک ہی ملک کے رہنے والے اور ایک ہی مذہب کے پیرو دو ایسے فریقوں کا مقابلہ ہے جن میں صرف رواج پردہ کے لحاظ سے ہی بڑا بھاری اختلاف ہے۔ اور باقی حالات قریباً یکساں ہیں۔ اور دوسرے نتیجہ میں جو ہمارے آزاد خیال دوستوں کی جودت طبع کا نتیجہ ہے ایسی اقوام کا مقابلہ ہے جن میں رواج پردہ کا اختلاف بمقابل دوسرے اختلافات کے۔ جو ملکی حالات وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں بہت چھوٹی سی چیز ہے۔ پھر اگر اُن اقوام کی حالت پر غور کیا جاوے جو مسلمانوں کے ساتھ اسی ملک ہند میں رہتی ہیں تو یہ اور بھی صفائی سے نظر آتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا اعلےٰ تعلیم میں پیچھے رہ جانا کسی صورت میں رواج پردہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وہ پردہ جو ہندوستان میں مروج ہے اس قابل ہے کہ ہم اُسکی ہر پہلو سے تائید کریں۔ اور اُسی کو دیگر ممالک میں بطور ایک مفید اور ضروری قانون کے پیش کریں۔ کیونکہ قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پردہ کے معاملہ میں حد سے بڑھ کر سختی ہو رہی ہے۔ اور جہانتک اسلام کا منشاء پردہ سے ہے اس سے مسلمانان ہندوستان بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ منسوخی پردہ کے مجوز دلائل سے بالکل خالی ہاتھ ہیں۔ اور اسلامی پردہ کو زوال کا باعث قرار دینے میں صرف یوروپ کے رُعب سے متاثر ہو رہے ہیں نہ حق اور حقیقت سے۔ اس صورت میں جبکہ پردہ کا سوال

ہر طرف چھڑ گیا ہے۔ یہ از حد ضروری ہے کہ اہل اسلام اس امر پر غور کریں کہ اسلامی پردہ کیا ہے۔ اور اسی پر کاربند ہوں اور جھوٹھی قومی غیرتوں کو چھوڑ کر اس راہ پر چلیں جو اسلام نے سکھائی ہے۔ اور جو حقیقی تہذیب اور شائستگی کی راہ ہے +

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ پردہ کی حد کہاں تک ہے۔ اور اس کے متعلق ہم قرآن کریم کی وہ آیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں پردہ کا حکم نازل ہوا ہے۔ سورہ نور میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلك ازکی لھم وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آباءھن او آباء بعولتھن او ابناءھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون۔ (النور ۳۰-۳۱) ان آیات کا ترجمہ ذیل میں درج ہے "مسلمان مردوں کو کہدو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اصول اُن کے لئے بہت پاکیزہ ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں کو کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت لوگوں کو نہ دکھاویں مگر وہ حصہ جو (عادتاً اور ضرورتاً) اس میں سے ظاہر ہے۔ اور چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر واسطے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ اُن کے یا مرد و نمیں سے ایسے لوگ جو ساتھ رہتے ہیں۔ اور عورتوں کی حاجت نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جو عورتوں کی چھپی باتوں پر واقف نہیں۔ اور چاہئے کہ (راستوں میں چلتے وقت) اپنے پاؤں کو زمین پر ایسے طور سے نہ ماریں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جاوے۔ اور مسلمانو تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم خوشحالی کو پالو" +

یہ ہیں کلام الٰہی کے الفاظ پردہ کے متعلق اور انھیں آیات میں مسلمانوں کے لئے پردہ کا حکم فرمایا گیا ہے

اس جگہ ایک تو یہ امتیاز کیا گیا ہے۔ کہ غیر محرم مردوں کے سامنے عورتیں اور طرح پر نکلا کریں۔ اور اپنے کُنبہ کے لوگوں اور قریبی رشتہ داروں کے سامنے جن کی تفصیل آیات ممدوحہ بالا میں دیگئی ہے بے تکلفی سے پھر لیا کریں۔ پھر اسی پردہ کے متعلق دو الگ الگ حکم موجود ہیں یعنی ایک تو آنکھوں یعنی نگاہوں کو نیچے رکھنے کا حکم جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ اور دوسرے زینت کو ایک محدود دائرے سے باہر چھپانے کا حکم جو صرف عورتوں سے مخصوص ہے۔ سب سے پہلے ہمیں لفظ زینت کے معنے دیکھنے ضروری ہیں زینت ہر ایک ایسی شے کا نام ہے جس سے زیبائش یا آرائش کیجاوے یا جو خوبصورتی کو نمایاں کرنیوالی ہو۔ زینت کے مفہوم کے متعلق دو مذہب ہیں۔ اول یہ کہ زینت میں خلقت یعنی جسم کی خوبصورتی بھی شامل ہے دوسرے یہ کہ زینت میں خلقت شامل نہیں ہے۔ جو مفسرین دوسرے پہلو کی طرف گئے ہیں۔ اُن کے نزدیک زینت تین قسم کی ہے۔ ۱۔ اول اصباغ جیسے مہندی لگانا یا آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ۲۔ زیورات سونا چاندی جواہرات کی قسم سے ۳۔ لباس تیسرے معنوں میں اور جگہ بھی یہ لفظ زینت قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ خذوا زینتکم عند کل مسجد سے ظاہر ہے جہاں زینت سے صریح لباس مراد ہے۔ یہ تقسیم تفاسیر سے معلوم ہوتی ہے۔ اور جو شخص دیکھنا چاہے تفسیر کبیر اور ابن جریر کی تفسیر کو دیکھ سکتا ہے۔ اب عورتوں کے پردہ کے متعلق جو حکم یہاں وارد ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے۔ کہ لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ یعنی عورتوں کو اپنی زینت ظاہر نہ کرنی چاہئے سوائے ایسی زینت کے جو خود ظاہر ہی ہوتی ہے پس یہاں دو قسم کی زینت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ مفسرین کا اتفاق ہے۔ ما خفی و ما ظھر۔ یعنی ایک وہ زینت جو چھپائی جا سکتی ہے۔ اور جس کے چھپانے کا حکم ہے اور دوسری وہ زینت ہے جو ظاہر ہے۔ اور جو چھپائی نہیں جا سکتی پس قرآن کریم جس پردہ کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ عورتیں اُس زینت کو جو چھپائی جا سکتی ہے اجنبی مردوں یعنی غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اس کا اظہار نہ تو معمولی حالات کے ماتحت ضروری ہی ہے۔ اور نہ ہی کسی صورت میں پسندیدہ ہے۔

اس قدر بحث کے بعد اب اصل سوال ایک مختصر سی صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ اب بحث طلب امر صرف یہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ وہ کونسی خاص قسم زینت کی ہے جس کی عورت کو چھپانے کی ضرورت نہیں خواہ اُسے اجنبیوں کے سامنے یا باہر ہی نکلنا پڑے جیسا کہ آیت شریفہ سے جو اوپر نقل کیگئی ہے ظاہر ہے یہ زینت الا ما ظھر منھا میں آتی ہے۔ اسلئے ان الفاظ کے معنوں پر غور کرنا ضروری ہے مفسرین نے عموماً اس کے معنے وہی لئے ہیں جو قفال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ ای ما یظھرہ

الانسان فی العادۃ الجاریۃ وذلک فی النساء الوجہ والکفین۔ یعنی ماظہر منہا سے مراد یہ ہے۔ کہ جیسے انسان عادت جاریہ میں ظاہر کرتا ہے۔ اور عورتوں میں یہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں عام مفسرین کے نزدیک یہی رائے مقبول ہے۔ کہ چہرہ اور ہاتھ عورت اپنی ضروریات کے لئے کھلے رکھ سکتی ہے مثلاً جب اُسے باہر نکلنا پڑے لیکن شریعت اسلام کے رو سے ان کے سوا جسم کا اور کوئی حصہ وہ کھلا نہیں رکھ سکتی۔ اور نہ ہی اپنی زینت کو خواہ از قسم زیورات ہو۔ اور خواہ لباس ہو ظاہر کر سکتی ہے پس شریعت اسلام صرف اسی قدر چاہتی ہے۔ کہ چہرہ اور ہاتھوں کے سوا باقی تمام جسم مستور رہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئیے۔ کہ چہرہ سے ہماری مراد صرف چہرہ کا وہ حصہ ہے جس کا کھلا رکھنا معمولی حالات کے نیچے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور جس میں آنکھیں ناک اور مُنہ شامل ہیں۔ کیونکہ ان کے کھلا رکھنے کے بغیر انسان آزادی سے نہ دیکھ سکتا ہے۔ نہ سانس لے سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ کی قرآن شریف اجازت نہیں دیتا۔ یہ صرف ان حصوں کے کھلا رکھنے کی اجازت دیتا ہے جن کا کھلا رکھنا زندگی کے روزمرہ حالات کے نیچے انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اور جس کے بغیر معمولی کاروبار کرنے میں وقت پیش آتی ہے۔ سر کا کپڑا ایسے طور پر اوڑھا جا سکتا ہے کہ جس سے پیشانی کا کچھ حصہ اور آنکھیں اور ناک اور مُنہ کھلے رہیں۔ اور باقی حصہ چہرہ کا چھپا رہے۔ اس مضمون میں ہماری مراد چہرہ سے چہرہ کا صرف اسی قدر حصہ ہوگی پاؤں کے کھلا رکھنے کے متعلق اختلاف ہے لیکن ہمارے نزدیک پاؤں کا کھلا رکھنا یا نہ رکھنا انسان کے ذرائع پر منحصر ہے۔ آواز کو بہ اتفاق سب نے پردے سے باہر رکھا ہے۔ اس قسم کی زینتیں جیسے انگوٹھیاں یا حنا یا سُرمہ ضرورتاً ظاہر رہینگی جبکہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہونگے۔ اور اس لئے یہ تمام چیزیں اسی استثنا میں آتی ہیں۔ جس کو قرآن شریف نے الفاظ الا ماظہر منہا میں بیان فرمایا ہے۔ خود لفظ عورت سے بھی یہی شہادت ملتی ہے۔ کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ ان اجزا میں داخل نہیں جن کا چھپانا ضروری ہے۔ چنانچہ لفظ عورت کا ترجمہ عربی لغتوں میں اس طرح پر دیا ہے عورت جسم کا وہ حصہ یا حصے ہیں جن کا کھلا رکھنا ناشائستہ سمجھا جاتا ہے۔ اور مردوں میں اس سے مراد ناف اور زانوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور آزاد عورتوں میں تمام جسم سوائے چہرے کے اور ہاتھوں کے۔ اور پاؤں کے متعلق اختلاف ہے۔ لونڈیوں میں وہی حصہ عورت میں داخل ہے جو مردوں میں ہے۔ اور ان کے جسم کے وہ حصے جو خدمت کے وقت کھلے رہتے ہیں۔ جیسے سر اور گردن وغیرہ۔ یہ عورت میں شامل نہیں یہی تشریح امام رازی نے بھی لفظ عورت کی کی ہے۔ اور پھر وہ پردہ کی ضرورت کو اور اس کے حدود کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فامروا بستر مالا تودی الضرورۃ الی کشفہ ورخص لھم فی کشف مااعتید کشفہ وادت الضرورۃ الی اظہارہ

اذ کانت شرائع الاسلام حنیفیۃ سھلۃ سمحۃ ولما کان ظھور الوجہ والکفین کالضروری لاجرم اتفقوا علی انہما لیسا بعورۃ - ترجمہ پس حکم دیا گیا ہے چھپانے کا ان چیزوں کے جن کے کھلا رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی - اور اجازت دی گئی ہے اُن چیزوں کے کھلا رکھنے کی جو عادتاً کھلی رہتی ہیں اور جن کے اظہار کی ضرورت پڑتی ہے - کیونکہ شریعت اسلام انسان پر بوجھ نہیں ڈالتی بلکہ آسان شریعت ہے - اور چونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے - اس لئے اس امر پر اتفاق ہے - کہ یہ دونوں چیزیں عورت میں داخل نہیں +

تفسیر ابن جریر اور تفسیر کبیر میں وہ تمام روائتیں جمع کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے - کہ زینت ظاہر سے جس کے کھلا رکھنے کی عورتوں کو اجازت ہے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں - چنانچہ ابن عباس - سعید ابن جبیر - عطا - اوزاعی ضحاک - حسن وغیرہ کے اقوال بہ تفسیر الا ما ظھر منہا نقل کئے گئے ہیں کہ ان الفاظ سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں - ایسا ہی قتادہ کی روائت پر یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے - ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منہا الا وجہھا ویداھا - یعنی عورت جب بالغ ہو جائے تو پھر جائز نہیں - کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے دیکھا جاسکے - یہ امر بھی مسلم ہے - کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجدوں میں جماعت کے ساتھ جہاں مرد بھی موجود ہوتے تھے اسی شکل میں نمازیں ادا کیا کرتی تھیں - کیونکہ چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوتے تھے - مروجہ پردہ کے حامی یہ کہتے ہیں - کہ نمازوں میں اس طرح حاضر ہونے کی خاص اجازت تھی - لیکن یہ خالی دعوے ہے جس کی کوئی دلیل نہیں - قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ نمازوں میں تو عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھ کر حاضر ہونے کی اجازت ہو - اور اپنے کاروبار یا ضرورتوں کے وقت ان کو یہ ممانعت ہو کہ وہ کھلے چہرہ یا ہاتھوں سے باہر نکلیں - جب دونوں صورتوں میں بات ایک ہی تھی یعنی غیر محرم مردوں کے سامنے نکلنا پڑتا تھا - تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ نماز میں اور نماز سے باہر ایسا امتیاز رکھا جاتا اور یہ بات خود ظاہر ہے - کہ جب مسجد میں وہ چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھ سکتی تھیں - تو گھروں سے مسجد کو جاتے ہوئے اور مسجد سے واپس جاتے ہوئے بھی اسی طرح جاتی ہوں - کیونکہ یہ بات بہت بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے - کہ مسجد کو آتے یا مسجد سے جاتے وقت تو ان کو یہ حکم ہو کہ وہ چہرہ کو بالکل چھپا کر چلیں اور مسجد میں داخل ہو کر چہرہ کو کھول دیں - حالانکہ کوئی نئی ضرورت اس امر کی مسجد میں داخل ہو جانے سے پیش نہیں آتی تھی - اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ باہر آنے جانے کے لئے عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت تھی +

یہانتک ہم نے صرف الفاظ الا ما ظہر منہا کے معنوں پر غور کیا ہے۔ اور انہیں الفاظ سے پردے کے حدود کو قائم کیا ہے۔ درحقیقت اس سے توکسی کو انکار نہیں۔ کہ ان الفاظ میں چہرہ کا کھلا رکھنا آجاتا ہے ہاں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ استثنا صرف نماز کے لئے تھی۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور ہم نے اوپر یہ دکھا بھی دیا ہے۔ کہ نماز اور غیر نماز میں ایسی تفریق کا ہونا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اب جب ہم قرآن کریم کے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تو اس سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ چہرہ اور ہاتھ مستور نہیں کئے جاتے تھے۔ چنانچہ جس جگہ قرآن شریف نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں توساتھ ہی وہ مردوں اور عورتوں کو ایک اور حکم بھی دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ اب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کہ مردوں کو یہ حکم دینے سے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا۔ کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرف نہ دیکھیں۔ یا جب اپنے کاروبار میں مشغول ہوں۔ توکسی چیز کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں۔ اس حکم کی ضرورت صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی۔ جبکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے کوئی ایسا نظارہ ہو جس کی طرف دیکھنے سے ان کو روکنا ضروری ہو۔ پس اگر پردے سے یہ سمجھ لیا جائے کہ عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی یا اگر شاذ و نادر کوئی ضرورتاً باہر نکلے تو وہ سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو۔ اور کوئی حصہ اسکے جسم کا ظاہر نہ ہو۔ تو آدمیوں کو یہ حکم دینا۔ کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں بالکل بےمعنی اور فضول ہو جاتا ہے کیونکہ پھر تو کوئی ایسی چیز ہی نہیں رہتی جس کی طرف وہ دیکھ سکتے تھے۔ خالی راستوں میں جہاں عورت ہی نظر نہ آتی ہو یا اگر کوئی عورت ہو تو وہ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی ہو نظر اُٹھا کر دیکھنے سے روکنا یا اس کو جرم قرار دینا ایسا ہی ہے جیسا سفید کپڑوں یا دوسری اشیاء کی طرف دیکھنے سے روکنا یا اس قسم کی نظر کو جرم قرار دینا۔ کیا خدا تعالےٰ مردوں کو اس بات سے منع کرتا ہے کہ جب آنکھ سفید کپڑے حرکت کرتے ہوئے نظر آویں۔ تو وہ اُن کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں؟ یہ کیسی تعجب کی بات ہے۔ کہ اس قدر پر زور الفاظ میں ممانعت کی جاوے۔ حالانکہ کوئی ایسی چیز ہی موجود نہیں جس کی طرف نظر اٹھا کر مرد کچھ دیکھ بھی سکے۔ پس غض بصر کا یہ حکم جو مردوں کو دیا گیا ہے قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی ہے۔ کہ کپڑوں کے علاوہ کوئی حصہ عورت کا ایسا ضرور نظر آسکتا تھا جسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو قرآن شریف نے خلاف تقوےٰ سمجھا۔ اور اُس سے روکا ہے۔ یہ کونسی چیز تھی جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ یہ خود عورت تھی یا یوں کہو کہ عورت کا چہرہ۔ اور اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے سے خدا تعالےٰ کی حکیم کتاب نے اسلئے منع کیا تاکہ انسان

کامل تقوے کی راہ پر چل کر ہر ایک لغزش سے بچ سکے۔ اور کسی فتنہ میں نہ پڑے ‌+

غض بصر کے اس حکم کو جس سے صریح شہادت عورت کے چہرہ کے کھلا رہنے کی ملتی ہے۔ ان لوگوں نے جو پردہ کو شریعت کے اصل منشاء سے زیادہ سخت کر کے پیش کرتے ہیں کئی طرح سے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ کوئی توجیہ ایسی بیان نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہو جاوے کہ عورتوں کے چہرہ کے چھپا رہنے کی صورت میں مردوں کو غض بصر کا یعنی نگاہ کے نیچے رکھنے کا حکم دینے کی کوئی ضرورت باقی تھی۔ اگر پردہ کے حکم کے بعد عورت بالکل غائب ہو جاتی یعنی یا تو وہ قطعاً باہر ہی نہ نکلتی یا باہر نکلتی تو ایسی صورت میں کہ وہ نظر ہی نہ آسکتی۔ تو مردوں کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں بالکل فضول تھا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ غض بصر کا حکم اُن صورتوں کے لئے تھا جب مرد کو عورت کی طرف دیکھنے کی کوئی جائز ضرورت پیش آوے۔ مثلاً شادی کے لئے یا معالجہ کے لئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ان جائز ضرورتوں کے وقت غض بصر کا حکم ہے۔ تو پھر یہ ضرورتیں پوری کیونکر ہونگی۔ یہ تو خود اپنے قول کی آپ تردید کرنا ہے۔ کہ ایک طرف تو ایک امر کو جائز ضرورت قرار دیکر عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دیجاوے اور پھر ساتھ ہی غض بصر کا حکم دیا جاوے۔ جس کے یہ معنے ہوے کہ دیکھ بھی لو اور دیکھو بھی نہیں۔ علاوہ ازیں مختلف روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ راستہ کے کنارے پر مجلس لگا کر نہ بیٹھا کریں۔ اور اگر یہ لابد ہی ہو تو ضروری ہے کہ سلام کا جواب دیں۔ اور نگاہوں کو نیچی رکھیں جیسا کہ ابن عباس کی اس حدیث سے ظاہر ہے قال لا تجلسوا فی المجالس فان کنتم لابد فاعلین فردوا السلام وغضوا الابصار الخ اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ راستہ کے کنارے پر بیٹھو تو حق الطریق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حق الطریق کیا ہے۔ فرمایا۔ غض البصر وکف الاذی الخ۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورتیں راستوں میں کھلے مُنہ گذرتی تھیں جس کی وجہ سے یہ حکم ضروری ہُوا کہ اول تو مرد راستہ پر مجلس لگا کر نہ بیٹھیں۔ اور اگر کوئی ضرورت ہو تو پھر غض بصر اختیار کریں۔ یعنی راہ چلتی عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں ‌+

پس قرآن کریم کے یہ دو حکم یعنی عورتوں کو یہ حکم کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس حصہ کے جو ضرورتاً اور عادتاً ظاہر رہتا ہے۔ اور مردوں کو یہ حکم کہ وہ عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا کریں شرعی پردہ کے صحیح حدود کو قائم کرتے ہیں۔ اور ان دونوں احکام کے ایک ہی ساتھ نازل فرمانے سے یہ قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ کہ عورتیں اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلتی تھیں

لیکن اس صورت میں کہ اُن کا کُل جسم اور کل لباس اور ہر ایک زینت کا مقام سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے
ایک کپڑے سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ اور یہ ایک ایسا معقول اور پسندیدہ حکم ہے۔ کہ ہم نہیں سمجھتے کہ
کوئی سمجھ دار آدمی اس کو کسی سوسائٹی کے لئے پسند نہ کریگا یا ضروری نہ سمجھیگا۔ کیونکہ اسمیں
عورتوں کو باہر نکلنے یا کاروبار کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ
اپنی زینت کو ایک سادہ لباس سے چھپا لیویں۔ اور دوسری طرف فتنوں کے روکنے کیلئے مردوں
کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی جائز ضرورت کے کسی عورت کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں۔ بعض
دوسری حدیثوں سے اور بھی شہادت اس امر کی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے نظر الفجاءۃ کے متعلق سوال کیا ہے۔ اور منجملہ اُن کے حضرت علی بھی ہیں۔ اب ایسا
سوال ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ عورتیں کھلے چہروں سے باہر نہ جاتی ہوں۔ کیونکہ سوال یہ
تھا۔ کہ ہمیں تو حکم یہ ہے۔ کہ کسی عورت کے چہرہ کی طرف نہ دیکھیں لیکن جب بغیر ارادے کے اور
اچانک کسی عورت کے چہرہ پر نظر جا پڑے تو پھر ہم کیا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ صورت واقع نہ ہوسکتی تھی۔
جبتک عورتیں کھلے چہرہ سے باہر نہ نکلتی ہوں۔ اور پھر سوال کا رنگ ایسا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے
واقعہ کو بیان کرتا ہے جو اکثر پیش آتا تھا۔ کیونکہ سوال میں عمومیت کا رنگ ہے۔ کہ ایسے اوقات میں
جب اچانک نظر جا پڑے تو ہم کیا کریں۔ اور اس کا جواب جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ بھی
قابل غور ہے۔ اس کا جواب یہ نہیں دیا کہ پھر عورتیں باہر ہی نہ نکلیں یا یہ کہ باہر نکلیں تو چہروں کو بالکل
چھپا کر نکلیں۔ بلکہ یہی فرمایا کہ ایسی نظر جو بغیر ارادے کے اور اچانک جا پڑے وہ معاف ہے۔ ہاں پھر
دوسری دفعہ اور ارادتاً نظر اُٹھا کر دیکھنا گناہ میں داخل ہے +

زینت کا ہر ایک مقام ڈھانکنے کا حکم دینے کے بعد قرآن شریف نے خود ہی بیان فرمادیا ہے کہ کسطرح
سے زینت چھپانی چاہئے۔ اس پر آیت ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن شاہد ہے یعنی چاہئے
کہ عورتیں اپنے سروں کی اوڑھنیاں ایسے طور پر اوڑھیں کہ وہ اُن کے گریبانوں کو بھی ڈھانک
لیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں اس موقع پر لکھا ہے۔ قال المفسرون ان نساء الجاهلية كن يشددن
خمرهن من خلفهن وان جيوبهن كانت من قدام فكان ينكشف نحورهن وقلائدهن
فامرن ان يضربن مقانعهن على الجيوب ليتغطى بذلك اعناقهن ونحورهن وما
يحيط به من شعر وزينة من الحلي في الاذن والنحر وموضع العقدة منها۔ یعنی
مفسر کہتے ہیں۔ کہ ایام جاہلیت میں عورتیں اپنی اوڑھنیاں پچھلی طرف یعنی پیٹھ کی طرف ڈال لیا کرتی

تھیں۔ اور اُن کے گریبان اگلی طرف ہوتے تھے۔ اس وجہ سے اُنکے سینے اور قلائد نظر آتے تھے اسلئے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالا کریں۔ تاکہ اس طرح سے اُنکی گردنیں اور سینے اور بال اور زینت از قسم زیورات جو کانوں میں یا سینوں پر ہوں۔ اور گھنڈی کا موقع یہ سب اوڑھنی کے نیچے چھپ جاویں"۔ اور ابن جریر انہی الفاظ کی تفسیر میں لکھتا ہے۔ لیسترن بذلک شعورھن واعناقھن وقرطھن یعنی تاکہ اس طرح سے اُن کے بال اور گردنیں اور بالیاں چھپ جاویں۔ پس ان شہادتوں سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ اور پردہ کے وہی حدود قائم ہوتے ہیں یعنی سارا چہرہ چھپایا نہ جاتا تھا۔ اگر مفسرین کی رائے کو قطعی ثبوت نہ بھی کہا جائے۔ تو بھی خود الفاظ سے سوائے اس کے اور کچھ مطلب نہیں نکلتا جو مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور خود قرآن شریف کا حکم غض بصر کا اسبات کا قطعی فیصلہ کرتا ہے۔ کہ چہرے کا ایک ایسا حصہ ضرور کھلا رہتا تھا جس کی طرف دیکھ کر مرد ابتلا میں پڑ سکتا تھا۔ اور اس لئے غض بصر کا حکم دیا گیا +

اسی مضمون کے متعلق ایک اور آیت سورۂ احزاب میں ہے۔ یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔ اے نبی اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو کہدو کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیں۔ اس سے یہ پہچان لیجاوینگی۔ اور کوئی اُن کو ایذا نہ دیگا۔ اس آیت کو بعض وقت اس امر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ پردے کیلئے ضروری ہے کہ تمام جسم کو معہ چہرے کے ڈھانپ لیا جاوے۔ خود آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ آیا کوئی حصہ کھلا بھی چھوڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر سارے چہرے کو ہی چھپایا جاوے تو اس حالت میں عورت کے لئے باہر نکلنا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس سے آنکھیں بھی بند ہو جاوینگی۔ حالانکہ آیت کا مفہوم صاف بتا رہا ہے۔ کہ عورتیں اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلا کریں۔ یعنی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اگر لوگ ایذا پہنچائیں تو عورتیں باہر نکلنے سے قطعی طور پر رُک جاویں۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے۔ کہ باہر نکلا تو کریں مگر اوڑھنی اوڑھ لیا کریں تاکہ وہ پہچان لیجاویں اصل مُدعا صرف اس قدر تھا۔ کہ شریف عورتوں اور لونڈیوں میں تمیز ہو۔ یعنی اُن کا لباس ہی ایسا ہو جس سے معلوم ہو جاوے۔ کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔ تا وہ اس طرح ایذا سے بچ جاویں۔ اور ظاہر ہے کہ اس مُدعا کے حصول کے لئے سارے چہرے کو چھپانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ علاوہ ازیں سورۂ نور میں جو پردہ کا حکم آیا ہے۔ وہ اِس کے بعد کا ہے۔ کیونکہ سورۂ نور سورۂ

احزاب سے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس حکم میں ساتھ ہی مردوں کو یہ ارشاد فرما کر کہ وہ عورتوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھا کریں۔ اور اسی طرح الا ما ظہر منھا کا استثنا بیان فرما کر یہ کھولکر بیان کر دیا ہے کہ عورتوں کو سارا چہرہ چھپانا لازمی نہیں ہے۔ اگر سورہ احزاب کی اس آیت کے مطابق عورتوں کیلئے یہ ضروری ہو جاتا کہ وہ سارے چہرہ کو چھپا کر باہر نکلیں تو سورہ نور میں مردوں کو یہ حکم دینے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ کہ اگر غیر عورت سامنے آجائے تو وہ غض بصر اختیار کریں پس غض بصر کا حکم جہاں ایک طرف سوسائٹی میں سے سخت نقصان دہ بدیوں کے دُور کرنیکا ذریعہ ہے دوسری طرف اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ عورتیں جب اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلیں تو اُن کو سارے چہرہ کے چھپانے کی ضرورت نہیں غرض اس آیت میں "یدنین علیھن من جلابیبھن" سے وہی مراد ہے۔ جو سورہ نور کے الفاظ "ولیضربن بخمرھن علے جیوبھن" کا مفہوم ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں۔ کہ جلباب کو اس طرح پر اوڑھنا ضروری ہے۔ کہ سوائے ایک آنکھ کے اور کوئی حصہ کھلا نہ ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ اس سے غض بصر کا حکم عبث ٹھیرتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت اسلام کا یہ منشاء نہیں کہ انسانوں پر اُن کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالے بلکہ جہاں اس کا مقصود اصلاح ہے وہاں یہ بھی مد نظر رکھ لیا گیا ہے۔ کہ اس کے احکام عام انسانوں کی برداشت کے قابل ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ عوام الناس کی حالت میں عورت مجبور ہے۔ کہ اپنی ضروریات کے لئے ہاتھوں اور چہرہ کو کھلا رکھے۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ صحابہ کی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے کاروبار میں اُن کی ہر طرح سے مدد کرتی تھیں۔ یہانتک کہ زراعت وغیرہ میں بھی مدد دیتی تھیں۔ اور اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلتی تھیں۔ یہ سب کام وہ اس صورت میں کر سکتی ہوں جبکہ ان کے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ سب کچھ کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہوں۔

پھر ایک اور آیت سورہ احزاب کی پیش کی جاتی ہے۔ وقرن فے بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"۔ اور اپنے گھروں میں ٹھیری رہو۔ اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھلاتی نہ پھرو۔ یہ ایک حکم ہے جو اولاً آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو دیا گیا ہے لیکن ہم اس کو اُنہی تک محدود نہیں سمجھتے۔ کیونکہ قرآن شریف میں بہت سارے ایسے احکام ہیں جنمیں مخاطب صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن وہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہیں........ .... ایسا ہی اس جگہ ایک حکم آنحضرت صلعم کی بیویوں کو دیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کے لئے بطور ایک نمونہ کے ہیں۔ اور اس لئے اس حکم میں تمام مومن

عورتیں شامل ہیں۔ لیکن اس آیت سے یہ معنے نکالنا کہ عورتیں کبھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں صریح غلطی ہے اس آیت کا یہ منشا کبھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انہی معنوں کو خود قرآن کریم دوسرے الفاظ میں یوں ظاہر کرتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار ست دکھاتی پھرو۔ یہی مطلب "قرن فی بیوتکن" سے ہے۔ اور اسی مفہوم کو سورہ نور میں "لا یبدین زینتھن" سے ظاہر کیا ہے۔ اگر گھروں میں ٹھیرنے کا حکم دینے سے قرآن شریف کا یہی منشاء ہوتا کہ عورتیں واقعی کبھی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں تو پھر یہ دوسرا حکم دینا کہ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔ بالکل مہمل ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ گھروں سے باہر ہی نہ نکل سکتی تھیں۔ تو پھر یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی تھی کہ وہ اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو نہ دکھلاتی پھریں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے عورتیں بلا ضرورت بناؤ سنگار کر کے گھروں سے باہر پھرا کرتی تھیں جس کی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ اپنے عمدہ لباس اور زینتیں لوگوں کو دکھلائیں۔ اور غیر مردوں کا غیر عورتوں کے ساتھ کھلا میل جول ہوتا تھا۔ یہ حالت ایسی تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے سچی پاکیزگی اور طہارت دلوں میں پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ اور اسلام کی اصل غرض یہی تھی کہ ان برائیوں کو دور کیا جاوے۔ نہ یہ کہ عورتوں کو کام کاج کرنے سے روکا جاوے۔ یا اُن کو گھروں کی چار دیواری کے اندر بند کیا جاوے۔ اور اگر اس حکم کا ایسا ہی سخت منشاء ہوتا تو کم از کم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جو اولاً مخاطب تھیں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد اس پر ضرور عمل کرتیں۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جنگوں میں اور حج میں اپنی بیویوں کو ساتھ لیجاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس حکم کے یہ معنے نہیں سمجھے کہ عورتوں کو قطعی طور پر گھر سے نہیں نکلنا چاہئے۔ علاوہ ازیں آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ باہر نکلتی رہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض لڑائیوں میں خود جا کر لڑیں۔ کیا اُن کو یہ حکم معلوم نہیں تھا یا کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے۔ کہ اُنہوں نے ..... قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کی +

پس قرآن شریف کی کوئی آیت پردہ کے متعلق ایسی نہیں جو سورہ نور کی مذکورہ بالا آیات سے بڑھ کر پردہ کا حکم دیتی ہو۔ اور پردہ کا مضمون مفصل انہی آیات میں مذکور ہے۔ اب جیسا کہ ہم نے پہلے توجہ دلائی تھی۔ ان آیات میں دو علیحدہ علیحدہ حکم دیئے گئے ہیں۔ یعنے پہلا حکم غض بصر کے متعلق ہے جسمیں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں۔ اور دوسرا حکم زینت کے چھپانے کے متعلق ہے جس میں صرف عورتیں مخاطب ہیں۔ اس لئے کامل پردہ یہی چاہتا ہے۔ کہ ان دونوں احکام کی

تعمیل کی جائے نہ صرف ایک کی۔ قرآن شریف کا منشاء ایک بدی کو دور کرنے کا تھا۔ اور اس کے لئے وہ ایک دوہرا علاج تجویز کرتا ہے۔ عورت کو تو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کے مقامات کو چھپا کر نکلے تاکہ بلا ضرورت مردوں کی نظریں اُس کی طرف نہ اُٹھیں۔ اور ساتھ ہی مردوں کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ اور عورتوں کی طرف نہ دیکھیں۔ اگر سارا بوجھ ایک ہی فریق پر ڈالا جاتا مثلاً جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ عورتوں کو واقعی یہ حکم دیا جاتا کہ وہ کبھی بھی مردوں کے سامنے نہ نکلیں تو یہ ناانصافی ہوتی۔ مگر قرآن کریم اس ناانصافی کا مرتکب نہیں۔ وہ دونوں فریقوں کو برابر رکھتا ہے۔ اور دونوں سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ ایسی طرز اختیار کریں جس سے ایک بڑی بھاری بدی اُن کے درمیان سے ..... دور ہو جاوے۔ عورت کو یہ چاہیئے کہ وہ مردوں کے سامنے دلربائی کا کوئی سامان ظاہر نہ کرے۔ اور ایک سیدھا سادہ لباس اوڑھ کر اور زینت کے مقامات کو ڈھانک کر باہر نکلے۔ یہ گویا عورت کا فرض ہے اور ساتھ اس کے مردوں پر یہ لازم کیا گیا ہے۔ کہ جب عورتوں کو ضرورتاً اُن کے سامنے باہر نکلنا پڑے تو وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ اور ان کی طرف مت دیکھیں۔ یہ کیسا سیدھا سادہ اور معقول حکم ہے اور ہر ایک قسم کے حالات کے ماتحت اس پر کیسی آسانی سے عملدرآمد ہو سکتا ہے۔ یہی وہ دوہرا علاج ہے جو قرآن شریف نے بتلایا ہے۔ اور جو لوگ اس قسم کے پردہ کے خواہاں ہیں جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی نا ظاہر نہ ہوں وہ گویا غض بصر کے حکم کو جس کی تعمیل ان پر فرض ہے ٹالنا چاہتے ہیں ایسا ہی عورتوں کو یہ بھی حکم ہے۔ کہ وہ بھی جب غیر مردوں کے سامنے باہر نکلیں تو غض بصر کا طریق اختیار کریں۔ اسلامی پردہ عورتوں کو یا مردوں کو کام کرنے سے نہیں روکتا۔ اور صرف اسی قدر اُن سے چاہتا ہے جو اُن کی طاقت کے اندر ہے یعنی یہ کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ اور دونوں فریق غض بصر کا طریق اختیار کریں +

انہی آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنے گھروں کے اندر عورتیں کیا طرز اختیار کریں۔ بعض قریبی رشتہ دار یا کنبہ کے لوگ تو ایسے قرار دیئے گئے ہیں جن کے سامنے عورت اپنی زینت بھی ظاہر کر سکتی ہے لیکن اُن کے علاوہ باقی تمام لوگ جن میں رشتہ داروں کی بھی ایک بڑی جماعت شامل ہے ایک ہی حکم کے نیچے رکھے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن کے سامنے عورت اپنی زینت ظاہر نہیں کر سکتی۔ لیکن جیسا کہ باہر نکلنے کے لئے عورت کو اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو کھلا رکھے۔ ایسا ہی ان لوگوں کے سامنے بھی اسی حالت میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ ابن عباسؓ کا ایک قول اس پر شاہد ہے۔ "الزینۃ الظاھرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فھذا تظھر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا۔"

یعنے زینت ظاہر سے مراد چہرہ اور آنکھوں کا سرمہ اور ہاتھوں کی مہندی اور انگھوٹھی ہے پس یہ چیزیں ایسی ہیں۔ کہ عورت اپنے گھر میں اُن لوگوں کے لئے جو گھر میں آویں ظاہر کر سکتی ہے۔ بچوں کے لئے جو بلوغت تک نہ پہنچے ہوں۔ ایسا ہی اُن لوگوں کے لئے جو عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں وہی حکم ہے۔ جو باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے جن کا ذکر آیت شریف مذکورہ بالا میں ہے غلاموں کے لئے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ یہی حکم ہے۔ یعنی ان سے زینت کو چھپانے کی ضرورت نہیں لیکن اِن تمام حالات میں یہ ضروری ہے۔ کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور شاید پاؤں کے ننگا نہ ہو +

ایک امر قابل غور یہ بھی ہے۔ کہ آیا عورت غیر محرم مرد سے بول سکتی ہے؟ کیونکہ ہندوستان میں جو پردہ مُروّج ہے وہ بعض صورتوں میں ایسی سختی کی حد تک پُہنچا ہُوا ہے۔ کہ عورت کی آواز کا غیر محرم مرد کے کان میں پُہنچنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ قرآن شریف ایسی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ ہاں آواز کے متعلق یہ آیت قرآن کریم میں ہے۔ یا نساء النبی لستنّ کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فے قلبہ مرض وقلن قولا معروفا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے پیغمبر کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو سو پرہیزگاری کا طریق یہی ہے کہ دبی زبان سے کسی کے ساتھ بات نہ کیا کرو کیونکہ ایسا کروگی تو جس کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ ہے وہ (شاید) طمع کرے۔ پس یہی ٹھیک ہے کہ بات کرو تو معروف طور پر بات کرو (یعنی دبی آواز سے بات نہ کرو بلکہ مردانہ طور پر بات منہ سے نکالو) اس آیت میں آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو اجنبی مردوں سے بات کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ اور خود تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی بیویاں ضرورت کے وقت غیر مردوں سے گفتگو کرنے سے پرہیز نہ کرتی تھیں اور ایسا ہی صحابہ کی بیویاں بھی۔ اب اگر حدیث کے سلسلہ روایت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن میں مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے روایت لیتے ہیں۔ حالانکہ پردہ کے لحاظ سے ایسے مرد اور عورتیں بالکل اجنبی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں عورتوں کی کیا پوزیشن تھی۔ اگر آج کل کا سا پردہ اس وقت بھی مروج ہوتا تو بہت ساری حدیثیں جن کے سلسلہ روایت میں کہیں نہ کہیں کوئی عورت راوی آگئی ہے بالکل مفقود ہو جاتیں۔ امام بخاری کے چار بڑے شاگردوں میں بھی ایک عورت ہے جس کی نسبت یہ امر مسلم ہے۔ کہ بڑے بڑے عالم اور فاضل اس سے حدیث کی روایت کو لیتے ہیں۔ اور وہ بڑے بڑے مجمعوں میں حدیثیں بیان کرتی تھیں۔ غرض کہ یہ ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔ کہ پردہ اختیار کرنے سے عورت کالعدم ہو جاتی ہے۔ اور انسانی کاروبار میں اُس کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔ اور اس غلط فہمی کا الزام خود مسلمانوں پر ہی ہے۔

جنھوں نے پردہ میں اس قدر تشدد کیا کہ اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا +

انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے پردہ بجائے اس کے کہ ایک دلکش اور پسندیدہ چیز معلوم ہوتی بعض لوگوں کو ڈراونا معلوم ہوتا ہے ۔ اس تشدد سے اور ان بے اعتدالیوں سے ابتدائی اسلامی سوسائٹی بالکل بری تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے مقدس جانشینوں کے زمانے میں عورتیں لڑائیوں میں ساتھ جایا کرتی تھیں ۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ تمام معتبر تاریخ کی کتابوں سے جیسے ابن ہشام وغیرہ یہ صاف معلوم ہوتا ہے ۔ کہ جنگوں میں عورتوں کا یہ فرض تھا کہ وہ زخمیوں کے مونھوں میں پانی ڈالتی تھیں ۔ اور ان کے زخموں پر مرہم پٹی کرتی تھیں ۔ کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے ۔ کہ جس قسم کا پردہ اس زمانے میں ہندوستان کے مسلمان شرفاء کے گھروں میں پایا جاتا ہے ۔ اس طرح کے پردہ سے ایسے فرائض بھی پورے ہو سکتے تھے ۔ پھر یہ امر بھی تاریخ کے مطالعہ کرنیوالے پر پوشیدہ نہیں کہ صحابہ کی عورتیں زراعت وغیرہ کے کاموں میں اپنے خاوندوں کو مدد دیتی اور انکی محنتوں میں شریک ہوتی تھیں ۔ جنگ کے میدان میں اُن کے الگ فرائض تھے جن کو وہ پوری مستعدی سے ادا کرتی تھیں ۔ پھر جب مرد لڑائیوں میں جاتے تھے تو پیچھے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے چند آدمی مقرر ہوا کرتے تھے ۔ اور ظاہر ہے کہ خاوندوں کی غیر حاضری میں انہیں آدمیوں سے عورتوں کو واسطہ پڑتا تھا ایسی صورتوں میں ہرگز ممکن نہیں کہ اسی قسم کے سخت پردہ کی پابندی ہوسکتی ہو جو آجکل اس ملک میں مروج ہے ۔ پھر یہ امر بھی حدیثوں سے ثابت ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جہاں سینکڑوں مرد ہوتے تھے عورتیں آتی تھیں ۔ اور مسائل دریافت کرتی تھیں ۔ اور بعض وقت اپنے ہی خاوندوں یا والدین کے خلاف استغاثے دائر کرتی تھیں ۔ پھر یہ امر بھی ثابت ہے ۔ کہ عورتیں لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھتی تھیں اور جانتی تھیں پھر سلسلہ روایت حدیث میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایک مرد کسی عورت سے اور ایک عورت کسی مرد سے روایت کرتی ہے ۔ ان تمام امور سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی پردہ عورت کو بے دست و پا کرنے والا نہ تھا +

علاوہ ان تمام امور کے قیاس یہ چاہتا ہے ۔ کہ پردہ میں تشدد اسلام کے غلبہ کے ساتھ پیدا ہوا ہے ابتدائی حالت مسلمانوں کی غریبانہ اور سادگی کی حالت تھی ۔ اور اکثر ان میں ایسے تھے جو خود محنتیں کر کے معاش حاصل کرتے تھے لیکن جوں جوں اسلام قوت و شوکت میں ترقی کرتا گیا اور روپیہ کی کثرت ہوتی گئی سوسائٹی کا نقشہ بھی بتدریج بدلتا گیا ۔ اب منجملہ اور اغراض کے پردہ کی ایک یہ بھی غرض تھی ۔ کہ اس سے شریف یعنی آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں ایک امتیاز ہو ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو گھرانے صاحب دولت و

ثروت ہوتے گئے ان میں پردہ بھی بتدریج تشدد کی طرف ترقی کرتا گیا۔ اُدھر دولت کے بڑھنے سے عورتوں کے کاروبار میں مدد دینے کی ضرورت کم ہوتی گئی۔ اور اس لئے اُن کا باہر نکلنا بھی آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ کیونکہ ہر قسم کی ضرورتیں روپیہ کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں ہی پوری ہونے لگ گئیں۔ ان نئے حالات زندگی کا تقاضا یہ ہوا کہ پردہ میں تدریجاً ترقی ہوتی گئی یعنی سختی بڑھتی گئی۔ اور پردہ کا تشدد وجاہت اور حیثیت کا معیار ہونے لگا۔ ہندوستان میں بھی چونکہ مسلمان بطور ایک فاتح قوم کے آئے اور ہر قسم کے امیرانہ سامان ان کے ساتھ تھے اس لئے مسلمان سوسائٹی کے اعلےٰ طبقوں میں پردہ کا تشدد اور بھی ترقی کر کے ایک ایسی حالت میں مروج ہو گیا جو آجکل دیکھا جاتا ہے +

اس مضمون پر اس قدر بحث کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلامی پردہ کیا چاہتا ہے۔ اور اس کے حدود کیا ہیں شریعت اسلام عورتوں کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ وہ بلا ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں اور غیر محرم مردوں سے کھلا میل جول نہ کریں۔ اور نہ صرف اپنا بناؤ سنگار دکھانے کے لئے باہر پھریں۔ اور ضرورت کے لئے نکلنے کے وقت بھی اپنی ہر ایک زینت کو سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے چھپالیں۔ اور اپنے عمدہ لباسوں کو بھی ایک سادہ کپڑے سے چھپا کر نکلیں۔ مگر پردہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ عورتیں اپنے کاروبار کے لئے باہر نہ نکلیں یا علوم و فنون میں ترقی نہ کریں۔ یا اپنے گھر کے اندر کے فرائض کو ادا نہ کریں یا قیام صحت کے لئے ہوا خوری کے لئے باہر نہ نکلیں۔ نہ پردہ اسبات سے عورتوں کو روکتا ہے۔ کہ وہ اپنے لئے کوئی جائداد یا روپیہ یا کوئی سبیل معاش پیدا کریں۔ غرضیکہ جس چیز کا نام آزادی ہے۔ اس سے پردہ عورت کو ہرگز نہیں روکتا۔ ہاں ان باتوں سے روکتا ہے جن سے کسی قسم کی بدی یا ضرر کے پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ اور اصل غرض پردہ کی بھی صرف یہی ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔ یہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ پردہ کے معاملہ میں جو اس وقت دو فریق ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی باتوں پر قائم رہ کر ہماری اس تحقیقات سے خوش نہیں ہوسکتے لیکن طالبان حق اس سے ضرور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ہم نے اس سوال کے دونو پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ اور ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ نہ تو قرآن کریم کا یہ منشاء ہے۔ اور نہ ہی انسانوں کی حالت برداشت کر سکتی ہے۔ کہ جو سخت پردہ ہندوستان کے اعلےٰ طبقے کے مسلمانوں میں مروج ہے وہی پردہ ساری دنیا کے لئے ضروری ہے۔ ایک آدمی جس کے پاس سامان زندگی بافراغت موجود ہیں اسبات کی ضرورت نہ سمجھے تو نہ سمجھے کہ عورتوں کو باہر نکلنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے بشرطیکہ اُس کو اپنی عورت کی صحت کی بھی کچھ پروا نہ ہو۔ لیکن دُنیا کا کثیر حصہ ایسا نہیں جو اس ضرورت کو محسوس نہ کرے۔ ہر ایک سوسائٹی میں ۷۵ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ آبادی ایسی ہوتی ہے

جنہیں محنت سے کما کر گذارہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ تمام آبادی مطلقاً ایسے پردہ کی برداشت نہیں کر سکتی جیساکہ آج کل مروج ہے۔ کثرت سے لوگ ایسے ہی ہیں جن کے لئے یہ محض ناممکن ہے۔ کہ وہ عورتوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اور پھر اکثر اوقات عورتوں کو ایسے ہی فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں جن کیلئے چہرہ کا اور ہاتھوں کا کھلا رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اعلےٰ طبقہ کے پردہ کو عام سوسائٹی میں جبراً رواج بھی دیا جاوے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ لوگ کھ وکے مرنے لگیں گے۔ اور خود عورتوں کی صحت کی حالت آخر کار خراب ہوجائیگی۔ دوسری طرف جن عورتوں کو کاروبار سے سبکدوشی حاصل ہے۔ ان کو بھی گاہے گاہے قیام صحت کے لئے یہ ضرورت ضرور محسوس ہوتی ہے کہ وہ باہر کی کھلی ہوا میں نکلیں۔ اور جبتک وہ چہرہ کو بالکل بند رکھنے پر مجبور ہیں۔ ان کے لئے باہر کی ہوا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ چونکہ اسلام کی شریعت چند امیر آدمیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ غربا کی حالت کو بھی مدنظر رکھتی ہے اسلئے اسلام کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ پردہ میں وہ تشدد کیا جاوے۔ جو آجکل کے مروجہ پردے میں کیا جاتا ہے +

مزید احتیاط کے لئے یہ سوال امام الزمان حضرت **مسیح موعود** علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا جس کا تحریری جواب حسب ذیل آپ کی طرف سے پہنچا۔ جو بعینہ درج کیا جاتا ہے:۔ "شرعی پردہ یہ ہے کہ چادر کو حلقہ کے طور پر کر کے اپنے سر کے بالوں کو کچھ حصہ پیشانی اور زنخدان سے کے ساتھ بالکل ڈھانک لیں۔ اور ہر ایک زینت کا مقام ڈھانک لیں مثلاً مُنہ پر اردگرد اس طرح پر چادر ہو (اس جگہ انسان کے چہرہ کی شکل دکھا کر جن مقامات پر پردہ نہیں ہے اُن کو کھلا رکھ کر باقی پردہ کے نیچے دکھایا گیا ہے) اس قسم کے پردہ کو انگلستان کی عورتیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں۔ اور اس طرح پر سیر کرنے میں کچھ حرج نہیں آنکھیں کھلی رہتی ہیں" +

اب یہ مسئلہ ہمارے احمدی بھائیوں کے لئے تو کم از کم حل ہوگیا ہے۔ اور امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ دیکھ لیں گے کہ یہی پردہ سچا اسلامی پردہ ہے۔ اور اس کے اختیار کرنے سے دُنیا بہت سی بدیوں سے نجات پا سکتی ہے +

۲۔ پردہ پر بعض اعتراضوں کا جواب

شرعی پردہ کے حدود کو بیان کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض اُن اعتراضوں کی تردید

کی جاوے جو پردہ کے خلاف کئے جاتے ہیں انہیں سب سے اول وہ اعتراض غور طلب ہے جو خود حامیان پردہ کی طرف سے ہی ہوگا۔ کہ اس قسم کا پردہ جیسا ہم نے بیان کیا ہے عورت کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ ضرورت کے لئے چہرہ کا کچھ حصہ کھلا رکھ کر باہر نکل سکتی ہے۔ اور اس سے بعض مضرات کا احتمال ہے۔ اس کا جواب تو ہماری طرف سے پہلے گذر چکا ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف نے ان مضرات کا جن کا احتمال مروجہ پردہ کے حامیان کو اندیشہ میں ڈالتا ہے صرف ایک ہی علاج تجویز نہیں کیا۔ کہ عورت اپنی زینت کو چھپا کر نکلے بلکہ دوسرا علاج بھی خود ہی تجویز فرما دیا ہے۔ کہ مرد اور عورت دونوں غض بصر کا طریق اختیار کریں۔ اور کتنا ہی سوچ کر دیکھ لو۔ ان سے بہتر علاج اُن مضرات کا دُنیا میں اور کوئی تجویز ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ پُرحکمت علاج اُس کی طرف سے ہے جس نے فطرت انسان کو بنایا ہے۔ اسلئے ایسے اعتراض کا پیدا ہونا سوائے اس کے کوئی اور وجہ نہیں رکھتا کہ قرآن کریم کے پُرحکمت احکام پر غور نہیں کیا جاتا۔ ہاں اس کے بعد اب ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ غض بصر کا حکم مرد اور عورتیں آسانی سے توڑ سکتے ہیں۔ اور اس لئے ایسے حکم کی بجائے کیوں یہ حکم نہ دیا گیا کہ عورتیں باہر ہی نہ نکلیں یا مجبوراً نکلنا پڑے تو کوئی حصہ اُن کے کپڑوں کا یا جسم کا کھلا نہ رہے۔ ایسا اعتراض انسانی تمدنی ضروریات سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عملی طور پر یہ ممکن ہی نہیں کہ دُنیا کے کثیر حصہ کی عورتیں یا کسی قوم کی عورتوں کا بڑا حصہ اس پردہ کا پابند ہو سکے یہ فرض کر کہ ہم نے اپنا دل تو اتنی بات سے خوش کر لیا کہ اسلام ایک ایسے پردہ کا حکم دیتا ہے جس میں اس قسم کا نظارہ ہی نہیں جو موجب ابتلا ہو سکے۔ اگرچہ ہم آگے چل کر دکھا دینگے۔ کہ انسانی سوسائٹی میں ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ پر اب سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کون کریگا۔ کیا یہ حکم ان انسانوں کی حالتوں کے مطابق ہوگا جو دُنیا میں چلتے پھرتے اور اپنی روزی کماتے ہیں۔ اسلام تو اپنے قوانین عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق تجویز کرتا ہے۔ نہ دو یا چار منتخب آدمیوں کے لئے جو خوش قسمتی سے اس قدر روپیہ کے مالک ہیں۔ کہ گھر بیٹھے اپنی تمام ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ عملی طور پر دیکھ لو۔ اور پھر غور کر کے دیکھ لو کہ ہر قوم میں ۸۰ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ آبادی ایسی ہی ہوتی ہے۔ جو کسی صورت میں اس قاعدہ کی پابند ہی نہیں ہو سکتی۔ کہ اُن کی عورتیں اپنے کاموں کے لئے باہر نہ نکلیں۔ کیا یہ سب لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہیں۔ یا کہ انسانوں کے لئے ایسے قواعد تجویز کئے جاتے ہیں جن کے وہ پابند ہی نہیں ہو سکتے۔ یا اگر دائرہ انسانیت سے باہر نہیں تو کیا اُن کو دائرہ اسلام سے خارج کر دو گے۔ کہ اسلام کا ایک اصول ایسا تجویز کرتے ہو جو اُن کی حالتوں کے بالکل مخالف

پڑا ہوا ہے۔ اس درمیانی طبقہ کے لوگوں میں اور اُس اعلےٰ طبقے میں جو اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتا ہے اور تو کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس روپیہ زیادہ ہے۔ اور یہ لوگ صرف اسی پر گذارہ کرتے ہیں جو اپنی محنتوں سے کماتے ہیں۔ کیا اسی فرق کے سبب سے یہ لوگ اسلام سے خارج ہو جاوینگے۔ حالانکہ اُن کے درمیان احکام الٰہی کے زیادہ پابند اور شریعت اسلام کی بہت تابعداری کرنے والے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت رکھنے والے موجود ہیں۔ کیا اسلام امیروں کے لئے بنا تھا جو اس پر عمل ہی نہیں کرتے اِلّا شاذ و نادر۔ یا عام لوگوں کے لئے۔ ہاں اعلےٰ طبقہ کے لوگ یہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلام نے یہ اصول عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق تجویز کیا ہے اور ہم اپنے لئے اس سے بہتر اصول تجویز کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا اُن کا حق نہیں ہے۔ کہ مذہب اسلام کا یہ اصول خاص ہمارے لئے بنا تھا جو پانچ یا دس فیصدی آدمی ہیں۔ اور جو باقی احکام اسلام کی پیروی نہیں کرتے ...... اور جو لوگ باقی احکام پر عمل کرتے ہیں وہ مجبور ہیں۔ کہ اسلام کے اس اصول کی خلاف ورزی کریں پس ہم کہتے ہیں کہ اصول وہ تجویز کرنا چاہئے جو عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق ہو۔ نہ کہ معدودے چند زیادہ روپیہ والے لوگوں کے لئے۔ اسلام تو غربا کے لئے ہی آیا ہے۔ اور اُس کے اصول بھی اُنہیں کی حالتوں کو مدنظر رکھکر تجویز کئے گئے ہیں۔ پس جو شخص دل کا غریب ہے اور مسلمان کہلاتا ہے اُسے نہیں چاہئے کہ محض زیادہ روپیہ رکھنے کی وجہ سے اس تکبّر کو دل میں جگہ دے کہ اسلام میرے لئے ہی بنا ہے اور دوسرے لوگ محض وحشی اور جاہل ہیں۔ اُن کی حالتیں ہی خدا نے ایسی بنائی ہیں۔ کہ وہ اس پر چل نہیں سکتے۔ بعض لوگوں نے اس موقعہ پر یہ بھی جواب دیا ہے۔ کہ عام لوگوں کی یہ حالت اضطراری ہے۔ کہ اُنکی عورتوں کو کام کرنے کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہی اضطراری حالت صحابہ میں بھی موجود تھی رضی اللہ عنہم۔ اور یہی اضطراری حالت ہر زمانہ میں ہر قوم میں نوّے فیصدی لوگوں میں موجود رہتی ہے۔ پس کیا اسلام نے ایسا اصول تجویز کر دیا ہے جو نہ تو اول زمانہ کے لوگوں کی حالتوں کے مطابق تھا اور نہ بعد میں ہی۔ اور سب کے سب کو مضطر ہو کر اُس اصول کو توڑنا پڑا۔ کیا کوئی اور ایسا اصول بھی اسلام نے تجویز کیا ہے جسے مضطر ہو کر قریباً تمام دُنیا کو توڑنا پڑے +

یہ تو ایک پہلو ہُوا اب دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں۔ تو وہ بھی خالی از مشکلات نظر نہیں آتا۔ جب ہم اس بات کو تجویز کر چکے کہ پردہ واقعی ایسا ہی سخت ہونا چاہئے جیسا آجکل مروج ہے۔ تو اب سوال

یہ ہے۔ کہ اس پردہ کی سختی سوائے ان لوگوں کے جن کے نام قرآن شریف میں لئے گئے ہیں سب سے یکساں ہونی چاہئے۔ اب ان لوگوں میں جن سے پردہ ہے خاوند کے تمام رشتہ دار سوائے باپ اور بیٹوں کے اور عورت کے اپنے بعض رشتہ دار جیسے انکے چچوں اور پھوپھیوں کے بیٹے وغیرہ بھی شامل ہیں پس موجب حکم قرآن ان تمام سے اسی قسم کا پردہ ہونا چاہئے جیسا اجنبیوں سے مگر سوائے شاذ و نادر مستثنے حالتوں کے ایک بھی گھر ایسا نہیں جہاں اس اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہو اور بہت سارے رشتہ دار جن کو قرآن کریم نے غیر محرموں میں رکھا ہے محرموں کی طرح گھروں میں آتے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ عورتیں شرعی پردہ کرکے ان لوگوں کے سامنے آویں وہ بغیر اپنی زینتوں کو چھپانے کے اُن کے سامنے آتی جاتی ہیں۔ اور اس طرح پر قرآن شریف کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اب نئے قاعدوں کا تجویز کرلینا تو آسان ہے۔ مگر اُن پر عملدرآمد نہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانی حالات کے مطابق وہ نہیں۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہر ایک شخص بجائے خود غور کرے کہ آیا اس قسم کے پردہ کی برداشت جیسا الفاظ میں تجویز کیا جاتا ہے تمدنی انسانوں کی طاقت کے اندر ہے۔ اگر پردہ کے معاملہ میں اعتدال کو مدنظر رکھا جاتا تو قرآن شریف کے احکام کی پوری فرمانبرداری ہوسکتی تھی۔ الغرض وہ لوگ جو اپنی عورتوں کے مطلق باہر نکلنے کو یا ایسی صورت میں باہر نکلنے کو کہ اُن کے چہرہ کا کوئی حصہ یا اُن کے ہاتھ ظاہر ہوں اپنے لئے ذلت سمجھتے ہیں وہی لوگ اس بات سے کچھ مضائقہ نہیں کرتے کہ اُن کی عورتیں ہر طرح کی زینت کے ساتھ ایسے لوگوں کے سامنے نکلیں بلکہ بے تکلفی کے ساتھ اُن سے ملیں جُلیں جنہیں قرآن شریف پردہ کے معاملہ میں ایسے ہی اجنبی سمجھتا ہے جیسے دوسرے لوگوں کو جن کا تعلق رشتہ داری وغیرہ کا کوئی نہیں۔ ان تمام واقعات سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن مختلف حالات کے نیچے جو تمدنی زندگی میں انسانوں کو پیش آتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ اس قدر سخت پردہ کی پابندی ہوسکے جیسا بعض لوگ تجویز کرتے ہیں +

پھر ایک تیسرا پہلو اس سوال کا یہ ہے۔ کہ اس طریق سے بھی فتنہ کا دروازہ بند تو نہیں ہوتا کیونکہ آخر عورتوں کو مجبوراً باہر نکلنا ہی پڑیگا پس اگر اُن کے چہرے بالکل بند بھی کردیئے جاویں تو آنکھیں تو بند نہیں کی جاسکتیں۔ پس کم ازکم اُن کو تو یہ موقعہ حاصل ہے کہ وہ مردوں کو بخوبی دیکھ سکیں نہ اسلئے کہ اسلام نے واقعی اُن کو ایسی اجازت دی ہے۔ بلکہ اسلئے کہ غض بصر کا طریق جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے ناکافی سمجھا جاتا ہے۔ اسلئے اسی طریق پر چلنے سے یہ بھی ضروری ہوگا

کہ مردوں کے چہرے بھی چھپائے جاویں۔ کیونکہ اس کے بغیر فتنہ کا دروازہ تو بہرحال کھلا ہی رہا پھر ایک اور مشکل یہ ہوگی۔ کہ امرد کے لئے کیا حکم ہوگا کیا اُن کے لئے بھی یہ ضروری ہوگا کہ عورتوں کی طرح چہرہ چھپا کر باہر نکلیں۔ کیونکہ جیسا عورت کے چہرہ کی طرف دیکھ کر ایک مرد فتنہ میں پڑ سکتا ہے ایسا ہی امرد کے چہرہ کی طرف بھی دیکھ کر فتنہ میں پڑ سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ امرد کے لئے فقہاء نے کیا تجویز کیا ہے۔ کیونکہ جس رنگ میں انسان اُس کے فتنہ سے بچ سکتا ہے۔ اسی رنگ میں دوسرے فتنہ سے بھی بچ سکتا ہے۔ اس جگہ فقہاء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ کہ امرد کیلئے چہرے کو چھپانا ضروری نہیں بلکہ غض بصر کے طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ پس کسی پہلو پر غور کرو۔ یہی معلوم ہوگا کہ سوائے اس کے کہ قرآن کریم کے حکیمانہ اصول غض بصر کو مدنظر رکھا جائے انسانوں کا تجویز کردہ کوئی قاعدہ چل نہیں سکتا اور نہ ہی مشکلات اور مضرات کو دور کر سکتا ہے +

دوسرا اعتراض پردہ پر یہ کیا جاتا ہے۔ کہ پردہ سے جہالت پیدا ہوتی اور علوم کی ترقی رُکتی ہے اس اعتراض کی جڑ شرعی پردہ کی غلط فہمی ہے۔ اور اسلام کے دامن پر یہ اعتراض کسی صورت میں عاید نہیں ہوتا۔ کہ جس پردہ کی تعلیم اس نے دی ہے۔ وہ عورتوں کی ضروری تعلیم کو روکتا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ گری ہوئی حالت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُسکی وجہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا ہے بالکل بے بُنیاد امر اور بلا دلیل دعوے ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ کہ انگلستان میں پردہ کبھی مروج نہیں ہُوا۔ تاہم جیسا کہ انسکلوپیڈیا کی نئی جلدوں میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے پہلے انگلستان کی عورتوں میں باقاعدہ تعلیم کبھی مروج نہیں ہوئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان باوجود پردہ کے اعلےٰ درجہ کی عالم اور فاضل عورتیں گذر رہی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہزاروں شعر عربی یاد تھے۔ اور معانی الفاظ کے اختلاف کے وقت وہ سند میں شعر پیش کیا کرتی تھیں۔ اور اُن کا عالم و فاضل ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی پڑھی ہوئی تھیں۔ اور کتابت بھی جانتی تھیں جیسا کہ اصابہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے فن کتابت بھی سیکھا تھا۔ ایسا ہی صحابہ میں بہت ساری عورتیں تھیں جو علم اور فضل کے سبب سے شہرت رکھتی تھیں۔ چنانچہ شفا بنت عبداللہ کی بہت ساری تعریف کر کے اصابہ میں لکھا ہے۔ وکان عمر یقدمھا فی الرای ویرعاھا ویفضلھا وربما ولاھا شیئا من امر السوق یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کی رائے کو مقدم رکھتے تھے (جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن سے اہم معاملات میں مشورہ بھی لیا جاتا تھا) اور اُن کی رعایت

کرتے تھے۔ اور اُنہیں فضیلت دیتے تھے۔ اور اکثر اوقات سوق کے معاملات میں سے بعض معاملے اُن کے سپرد کرتے تھے۔ اسی طرح اسلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں کئی عورتیں عالم و فاضل اور ادیب اور شاعر گذری ہیں۔ اس امر کو زیادہ طول دینا ضروری نہیں کیونکہ یہ واقعات ایسے ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا بعض لوگ ایک وضعی حدیث کو اس بات کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ عورت کو کتابت سکھانا جائز نہیں۔ مگر واقعات مندرجہ بالا کے سامنے اس حدیث کا جھوٹا ہونا اظہر من الشمس ہے غرضیکہ پردہ اس الزام سے بری ہے۔ کہ اس سے عورتوں کی تعلیم میں نقص واقع ہوتا ہے۔ بلکہ برعکس اس کے پردہ ایسی چیز ہے۔ کہ اس سے عورت کو تعلیم کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ مثلاً ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں پردہ نہیں ہے عورتوں کا بہت سارا وقت اس طرح پر ضائع ہوتا ہے۔ کہ وہ طرح طرح کے لباس پہن کر اور آرائشیں کر کے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جس کو انگلستان کی مصنف عورتوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور اس طرح پر وہ قیمتی وقت جو علمی ترقی میں یا گھر کا کاروبار کرنے میں صرف ہو سکتا ہے فضول باتوں میں ضائع کیا جاتا ہے۔ لیکن پردہ چونکہ ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلئے وہ عورتوں کے قیمتی اوقات کو بچا کر مفید کاموں میں لگا سکتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت عورت باہر بھی نکل سکتی ہے مسلمانوں کی موجودہ حالت سے عورتوں کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا۔ اور پردہ کو ان کے لئے باعث زوال قرار دینا محض حماقت ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے اس سوال پر غور ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ غور کیا جائے کہ عام طور پر اسلام نے عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اگر باقی امور میں بھی اسلام نے عورت کے ساتھ سختی کی ہے۔ تو یہ ایک وجہ یقین کرنے کی ہوگی۔ کہ پردہ کو رواج دینے سے بھی اسلام کا منشاء یہی تھا کہ عورتکی قدرتی آزادی قطعی طور پر روک دی جاوے اور ان کو کام کرنے کے بالکل ناقابل کر دیا جاوے۔ اور حصول علوم میں اُنکی راہ میں روک ڈال دی جاوے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ اسلام کا سارا سلوک عورت کے ساتھ پرلے درجہ کی نرمی کا ہے اور اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے ہیں جو بار بار کے مطالبوں کے باوجود بھی تہذیب یافتہ یورپ نے پورے طور پر اسکو نہیں دیئے۔ تو پھر یہ یقین کرنیکے لئے ایک معقول وجہ ہوگی کہ پردہ کا حکم بھی عورت کی اور سوسائٹی کی بہتری کے لئے ہی دیا گیا ہے۔ اور اس کا منشاء سوسائٹی میں سے بعض بدیوں کا دور کرنا ہے سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے عورت کی راہ میں محض جنس عورت ہونے کی وجہ سے کوئی روک نہیں ڈالی۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ فلاں کام کرنا یا فلاں پیشہ میں دسترس حاصل کرنا عورتوں کو منع کیا جاتا ہے۔ ہمارا اس سے یہ مقصود نہیں کہ عورت عورت ہو کر یعنی وہ مقام اختیار کر کے جو قدرت نے

مرد و عورت کے تعلق میں اُس کے لئے تجویز کیا ہے ہر ایک کام کر سکتی ہے یا ہر ایک پیشہ میں دسترسی حاصل کر سکتی ہے۔ ہمارا منشاء یہ ہے۔ کہ اگر عورت کے اپنے حالات اس کو کسی کام کے کرنے کی اجازت دیں اور اس میں اُس کام کے کرنے کی قابلیت بھی ہو تو اسلام اس کو یہ نہیں کہتا کہ میں تمہیں اس کام کے کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح پر خالی جنسیت کی روک کو دور کر کے اسلام نے عورت کی ترقی کی راہ سے ایک بڑی رُکاوٹ کو دُور کر دیا ہے۔ جس کی پوری قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے یورپ میں عورت کی تدریجی ترقی کو مطالعہ کیا ہے۔ کہ کن کن مصیبتوں سے ایک ایک روک اس کی راہ سے دُور ہوئی ہے۔ اور کس طرح پر صدیوں تک عورتوں کی راہ میں وہ رکاوٹیں پڑی رہی ہیں۔ جو مسلمان عورتوں نے کبھی سنی بھی نہیں۔ اسلامی شریعت کے ماتحت عورت کو ابتدا سے یہ حق حاصل رہا ہے۔ کہ فوجداری یا دیوانی میں وہ مدعی یا مدعا علیہ بنے۔ حدیثوں کے پڑھنے سے بہت سارے ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ کہ عورتیں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں حاضر ہوتیں۔ اور اپنے استغاثے پیش کرتیں جو بعض اوقات اُن کے اپنے خاوندوں یا باپوں کے خلاف ہوتے۔ یہی حال آنحضرت صلعم کے خلیفوں کے زمانے میں بھی رہا۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی مثال ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے اسلام میں ایک بڑا بھاری فرقہ شیعہ مذہب کا پیدا ہو گیا جو آج تک چلا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا خود حضرت ابوبکر خلیفہ اول کے سامنے تشریف لے گئیں۔ حالانکہ حضرت علی بھی موجود تھے جو اُن کی طرف سے یہ استغاثہ پیش کر سکتے تھے۔ اور حضرت صدیق کے انصاف کو بھی دیکھئے کہ کس طرح بغیر رو رعایت کے بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کرنا کچھ دشوار نہ سمجھا اور جو حق سمجھا وہی کیا۔ غرضیکہ حضرت فاطمہ کا یہ استغاثہ مضبوط شہادت اس امر کی ہے کہ اسلام نے عورت کی راہ میں عورت ہونے کی وجہ سے کوئی روک نہیں رکھی۔ اسی طرح پر اسلام مانع نہیں ہوا کہ کوئی عورت کسی ذمہ واری کے عہدہ پر ہو یا اہم معاملات میں مشورہ دے سکے۔ شفاء بنت عبداللہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ کیونکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان مُدبر بھی اُس سے مشورہ لیا کرتے اور اُسکی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اور پھر اُسی دانشمند عورت کو وہ بڑے بڑے ذمہ واری کے عہدوں پر ممتاز فرماتے رہے۔ شاید اس امر کے تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ سب سے زیادہ مشکل عورت کے لئے جنگوں میں حصہ لینا ہے۔ مگر اسلام تو اس نظیر سے بھی خالی نہیں رہا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی مُقدس اور راستباز عورت اور اس پایہ کی عورت علاوہ علمی مشاغل کے جنگوں میں بھی حصہ لیتی رہیں۔ یہانتک کہ خود فوج میں شامل ہو کر میدان جنگ میں لڑیں۔ یہ واقعات ہیں اور

ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے اسبات کا بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اسلام کی خوبیوں کو بھی بُرا ہی کر کے دکھادیں۔ ان واقعات کا کیا جواب ہے۔ علاوہ ازیں جائداد کے حاصل کرنے میں اسلام نے مرد اور عورت کو برابر حقوق دئیے ہیں ہر ایک عورت خواہ بیاہی ہوئی ہو یا بن بیاہی صاحب جائداد ہو سکتی ہے۔ اور جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کی مالک ہو سکتی ہے۔ پھر ایسی جائداد کے متعلق تمام قسم کے حقوق اور ذمہ واریاں پیدا کر سکتی ہے اور قرضہ وغیرہ لے سکتی ہے۔ پھر اُس کو جائداد کے انتقال یا ہبہ یا وصیت کے وہی حقوق حاصل ہیں جو مرد کو حاصل ہیں پھر بہ موجودگی مرد وارثوں کے اُن کے ساتھ وارث جائداد ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ ان تمام معاملات میں عورت پر کوئی روک نہیں ڈالی گئی۔ ان لوگوں کی جہالت پر سخت افسوس آتا ہے۔ جو ان تمام فواید کو کالعدم سمجھتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اسلام نے پردہ کا حکم کیوں دیا۔ ہمارے خیال میں تو ایسا آدمی مجہول مطلق ہے جو اسلامی پردہ کو اس قدر مضرت رساں سمجھتا ہے۔ کہ یہ تمام فواید اس کے مقابل اس کو ہیچ نظر آتے ہیں۔ کیا وہ اس موٹی بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ جب بعینہ مردوں کی طرح وسیع حقوق عورتوں کو جایداد پیدا کرنے کے لئے اسلام نے دئیے ہیں۔ تو پھر وہ اس امر سے کیونکر مانع ہو سکتا ہے کہ پیدا کردہ جایداد کو عورتیں ترقی دیں۔ اور اس لئے اُن تمام وسائل اور ذرائع کو اختیار کریں جن سے جائدادیں بڑھ سکتی ہیں۔ جس طرح پر حصول جائداد کے معاملہ میں اسلام نے جنسیت عورت کو روک نہیں بنایا۔ اسی طرح حصول علم میں بھی وہ عورت کو منع نہیں کرتا۔ اور نہ اُس کی راہ میں کوئی خاص روک ڈالتا ہے۔ بلکہ جس طرح پر اسلام مردوں کو علوم کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے ویسے ہی عورتوں کو بھی ترغیب دیتا ہے اور خود قیاس بھی اس خیال کو دھکے دیتا ہے۔ کہ ایک مذہب جو عورت کی اس قدر رعایت کرتا ہے اس کے لئے حصول علم سے مانع ہو۔ اور اسلامی تاریخ بڑے زور سے اس خیال کی تردید کرتی ہے غرضیکہ پردہ عورتوں کی تعلیم میں کوئی روک نہیں جیساکہ بے پردگی بطور خود اُن کے لئے حصول علوم کی ترغیب دینے والی نہیں +

اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ پردہ عورت کو علم حاصل کرنے سے مانع نہیں ہم نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ پردہ عورت کو کسی قسم کا ضروری کاروبار کرنے سے مانع نہیں ہے۔ اب ایک اور اعتراض پر ہم بحث کرتے ہیں۔ جس کے اول پیش کرنے والے پادری صاحبان ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ پردہ اسبات کی شہادت ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں۔ اور عورتوں کو باہر نکلنے سے اس لئے روکا جاتا ہے۔ کہ اُن کی نیک چلنی پر پورا پورا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ سب سے

پہلے تو یہ ایک غلط بیانی ہے۔ کہ اسلام عورتوں کو باہر نکلنے سے قطعی طور پر روکتا ہے۔ ہاں اسلام اس امر سے قطعی طور پر روکتا ہے۔ اور اس امر سے منع کرتا ہے۔ کہ بلا ضرورت عورتیں باہر پھرا کریں۔ اور بناؤ سنگار کر کے اسلئے پھریں کہ لوگوں کی توجہ اُن کی زینتوں کی طرف ہو۔ لیکن اس جواب کے بعد سوال کیا جاویگا۔ کہ اسلام اتنی بات سے بھی کیوں عورتوں کو روکتا ہے۔ کیوں وہ اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ عورتیں اپنے بناؤ سنگار غیر مردوں کو دکھاتی پھریں۔ کیا اس کا یہی سبب ہے کہ اسلام کو عورتوں کی پاکدامنی پر بھروسہ نہیں؟ ہماری سمجھ میں پادری صاحبان نے بھروسہ کا لفظ ایک مہمل سا لفظ چن لیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا عورت کی پاکدامنی پر بھروسہ کرنے کے یہی معنے ہیں۔ کہ اُسے ہر ایک خطرہ کی راہ میں ڈالا جاوے اور ہر ایک لغزش کی جگہ پر جہاں پاؤں کے پھسلنے کا احتمال ہے اُسے چلایا جاوے۔ کیا بغیر اس کے جو خود ہم عورت کی پاکدامنی کو خطرہ کی حالت میں ڈالیں ہم اس پر بھروسہ کرنے والے نہیں ہو سکتے۔ اس بھروسہ کے تو یہ معنے ہوئے کہ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر اس میں عورت کو دھکیلا جاوے اور پھر کہا جاوے۔ کہ یہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں عورت کی طاقت پر بھروسہ ہے۔ یہ معنے بھروسہ کے عیسائی صاحبان کے نزدیک صحیح ہونگے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک خدا کے رحم پر بھروسہ بھی تب ہی ہوتا ہے جب انسان صرف اس امر کو مان لے کہ اس کے گناہوں کے لئے خدا کا بیٹا کفارہ ہو گیا۔ اور خود اُسکے رحم کا جاذب بننے کے لئے اپنے تزکیہ نفس کی کوئی کوشش نہ کرے۔ اسلام اور رنگ کا بھروسہ سکھاتا ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے۔ ؏ برتوکل زانوئے اُشتر بہ بند۔ یعنی جہانتک خود طاقت ہے۔ ایک کام کو کرو۔ اور پھر نتیجہ کے لئے خدا پر بھروسہ کرو۔ جن معنوں میں اسلام خدا پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے انہیں عام فہم معنوں میں دوسرے انسانوں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔ خدائے تعالےٰ کی حکیم کتاب قرآن کریم پہلے وہ تمام راہیں بتاتی ہے جن پر چلنے سے عورتوں اور مردوں کی پاکدامنی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور انسان کو ان طریقوں پر عمل کرنا سکھانے کے بعد یہ تعلیم دیتی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کی پاکدامنی پر بھروسہ کریں۔ لیکن اسلام اس قسم کا بھروسہ ہمیں نہیں سکھاتا جیسا ہمارے عیسائی دوست تجویز کرتے ہیں۔ کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کو کھلے چھوڑ دیا جاوے۔ اور ہر ایک موقعہ ان کو پاکدامنی کے دور کرنے کا دیا جاوے۔ اور ہر ایک مقام پر جہاں اُن کا قدم پھسل سکتا ہے اُن کو چلایا جاوے۔ اور یہ سب باتیں اس لئے کی جاویں تا یہ ثابت ہو کہ ہم اپنے ہمجنسوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہاں اگر ایک شخص یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ پردہ سے بھروسہ کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اپنے مال و دولت کی حفاظت کرنے سے بھی بھروسہ کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ گویا جب ہم اپنے مال کی

حفاظت کرتے ہیں۔ تو دوسرے لوگوں کی دیانتداری پر ہمیں کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا خیال کرنا محض حماقت ہے۔ جب یہ لوگ اپنے گھروں میں نقدی کے صندوقوں کو متقفل کر کے اُن کی کنجیاں بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں تو کیوں اُس وقت اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس طرح پر متقفل کرنے سے وہ اپنی عورتوں پر یا دوستوں پر بھروسہ نہ کرنے کے جرم کے مرتکب ہیں۔ نہ ہی کسی پادری صاحب کے نزدیک ایسا فعل قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک شخص محض اپنے دوستوں پر بھروسہ جتانے کے لئے اپنے روپیہ کو کھلا چھوڑتا ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر اُسے اُن لوگوں کی دیانت پر شبہ کرنا پڑیگا جو واقعی دیانتدار ہیں۔ کیا گورنمنٹ اپنے خزانوں کی حفاظت اسلئے کرتی ہے۔ کہ اسے رعایا میں سے کسی فرد کی دیانت پر بھی بھروسہ نہیں؟ بلکہ اس لئے کہ بددیانتوں سے تو کوئی قوم خالی نہیں۔ پس کیوں اپنے مال کی حفاظت نہ کی جاوے۔ لیکن اگر اس پہلو کو چھوڑ کر اُس بھروسہ پر غور کریں جس کا عیسائی صاحبان کو ناز ہے تو اور بھی اس کی حقیقت کھلتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دوستی کے رنگ میں کیسی کیسی بڑی بےایمانیاں کی جاتی ہیں۔ گذشتہ جنگ ٹرنسوال کے بعد جب فوج میدان جنگ سے واپس آئی تو بہت سارے مقدمات طلاق کے ایسے ہوئے جنمیں ظاہرا دوستوں کی غداری ثابت ہوئی۔ اور ججوں نے بہت افسوس سے اس امر کا اظہار کیا کہ کس طرح اُن لوگوں سے جو ملک اور قوم کی خاطر اپنی جانیں دے رہے تھے خود اُن لوگوں نے ہی بیوفائی کی جو دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور اُن کی غیرحاضری میں اُن کی عورتوں سے ناجائز تعلق پیدا کئے۔ اور پھر یہ جو سینکڑوں مقدمات طلاق کے زناکاری کی بنا پر انگلستان میں ہوتے ہیں۔ کیا ان میں وہی لوگ مجرم ثابت نہیں ہوتے جن پر بھروسہ کر کے اپنی عورتوں کی عزت اور عفت اُن کی سپرد کر دی جاتی ہے۔ کیا ان تمام واقعات کا باعث یہ ہے۔ کہ انگریزی سوسائٹی میں اور سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ بدکار موجود ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا سبب یہی ہے کہ بدکاری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ اور غیرمحرم مردوں اور عورتوں کو ناجائز آزادی دے کر خود یہ موقع دیا جاتا ہے۔ کہ وہ بدیوں میں مبتلا ہوں۔ یہ عجیب بھروسہ ہے کہ دو غیرمحرم جوان ایک امرد اور عورت جو جذبات جوانی کے نیچے دبے ہوئے ہیں جہاں جی چاہے چلے جاویں۔ اور اُن کے والدین مطمئن رہیں۔ کہ کوئی ناپاک خیال اُن کے دلوں کے پاس پھٹک نہیں سکتا۔ کیا کوئی عیسائی ہے جو سچے دل سے اس بات کا قائل ہے۔ کہ اس قسم کے واقعات سے بدکاری اور زناکاری کی تحریک نہیں ہوتی۔ کیا ایک بڑے عیسائی عہدہ دار کے الفاظ میں اس طرح پر نوجوانوں اور ناتجربہ کاروں کے سامنے کھلے کھلے بدکاری کے سامان پیش نہیں کئے جاتے۔ پھر جب اسی کا علاج اسلام پیش کرتا ہے تو شور

مچایا جاتا ہے۔ کہ عورتوں کی پاکدامنی پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ اسلام کی غرض اور اس کا مقصد تو صرف
یہی ہے۔ کہ انسانوں کے دلوں کو ہر قسم کی بدی اور بدی کے خیالات سے پاک کرے۔ اور کوئی آدمی جو
صرف بحث میں جیت ہار مقصود نہیں اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بناؤ سنگار
کرکے کھلے طور پر ملنا۔ اور پھر دونا محرموں کا جو جذبات سے خالی نہیں تخلیہ اختیار کرنا ایسے امور ہیں جن سے
بدخیالات کو دل کے اندر داخل ہونے کی ایک راہ ملتی ہے۔ تعلیم نہ اس کا انسداد کرسکی اور نہ کرسکتی ہے
علمی پہلو میں بڑے بڑے فاضل آدمی ایسے ہی ٹھوکر کھا سکتے ہیں جیسے جاہل۔ کیونکہ کسی شخص کے
کسی زبان میں یا علم کی کسی شاخ میں مہارت حاصل کرلینے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ وہ نفسانی جذبات یا
اخلاقی کمزوریوں سے خالی ہوگیا ہے۔ ہاں کوئی راہ ایسی ہونی چاہئیے۔ کہ ٹھوکر کا احتمال کم ہو جاوے اور
بدکاری کے سامان حتے الوسع دُور کئے جاویں۔ اور یہی قرآن شریف کے حکم پردہ کا منشاء ہے کیونکہ اول
تو قرآن شریف عورت کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی ہر ایک قسم کی زینت کو چھپا کر رکھے۔ اور پھر مردوں اور
عورتوں کے آزادانہ میل جول سے منع کرتا ہے۔ اور بلا ضرورت عورتوں کو باہر پھرنے سے روکتا ہے
اور پھر سب سے آخر یہ تجویز کرتا ہے۔ کہ جب عورت غیر محرم مرد کے سامنے آجاوے۔ تو دونوں کو لازم ہے کہ
آنکھیں نیچی کرلیویں۔ اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ عورت کو یہ حکم دینے سے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر
نہ کرے۔ یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت پر بھروسہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ زینت کے چھپانے کی اصل غرض اُن لوگوں
کو ٹھوکر سے بچانا ہے جن کے سامنے عورت کو نکلنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح پر بھروسہ بھی انہیں لوگوں
پر نہیں کیا گیا کیونکہ اُنمیں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے ہیں۔ اور احتیاط کرنا عین انسانیت اور عقلمندی ہے۔
ممکن ہے کہ عورت بناؤ سنگار کرکے باہر نکلنے سے کسی مرد کے دل میں شہوانی خیالات کے اُبھارنے کا
باعث ہو جاوے۔ حالانکہ خود اُسے علم بھی نہ ہو کہ وہ کسی کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوگئی ہے۔ عورت کی
عفت اور پاکدامنی پر بھروسہ کرنے کے یہ معنے نہیں ہوسکتے۔ کہ اُن تمام لوگوں پر بھی جن میں ہر قسم کے
آدمی شامل ہوتے ہیں بھروسہ کرکے یہ سمجھ لیا جاوے۔ کہ وہ بھی سب پاک دل کے ہیں۔ اور نفسانی
جذبات سے خالی ہیں۔ اسی لئے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ جب اُسے ضرورتاً غیر مردوں کے سامنے باہر
نکلنا پڑے۔ تو جس قدر ممکن ہو ان چیزوں کو چھپا کر نکلے۔ جو مرد کے لئے باعث کشش ہوسکتی ہیں تاکہ
وہ لوگ جو دل کے کمزور ہیں۔ اور جن میں نفسانی جذبات ٹھنڈے نہیں ہو چکے (اور ہر ایک شخص شہادت
دے سکتا ہے۔ کہ دُنیا میں اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے) ان کے سامنے ٹھوکر یا ابتلا کا سامان پیش
نہ ہو +

شاید یہ کہا جاوے۔ کہ اگرچہ پردہ نے تو عورتوں کو تعلیم اور ترقی سے نہیں روکا لیکن اسلام کے دائرہ کے اندر مشہور عورتوں کا بہت تھوڑی تعداد میں ہونا اسبات کی دلیل ہے۔ کہ پردہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ خواہ اُس کا منشاء یہ ہو یا نہ ہو کہ مسلمان عورتیں عموماً تعلیم سے دُور رہ گئیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بھی صحیح نہیں اور اس کے کئی وجوہات ہیں۔ اولاً اگر ابتدائی زمانہ کی مسلمان عورتوں کا اُسی زمانہ کی دیگر اقوام کی عورتوں سے مقابلہ کیا جاوے یا اُس سے پہلے کی کسی مہذب قوم کی عورتوں سے مقابلہ کیا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان عورتیں دیگر تمام اقوام کی عورتوں پر بہت فوقیت رکھتی ہیں پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ پردہ دار عورت غیر پردہ دار عورت کی طرح خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہتی۔ اور نہ ہی یہ چاہتی ہے۔ کہ لوگ اُس کی تعریفیں کریں۔ اس لئے یہ قدرتی حیا اس امر کا مانع ہے۔ کہ خواہ کوئی عورت کیسی ہی قابل قدر ہو اس کی شہرت بھی عام ہو جاوے سوائے ایسی صورتوں کے جب کوئی عورت علوم میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کر کے بحیثیت ایک عالم و فاضل ہونے کے خود بخود دلا اپنی خواہش کے شہرت پا جاوے۔ اور اس بات کے ماننے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عورت کی فضیلت خالی اس امر میں نہیں کہ وہ بڑے بڑے ناول لکھ سکے۔ بلکہ اُس کی بزرگی اُن امور کے احسن طریق پر نباہنے میں ہے۔ جن کا علم سوائے چند ایک متعلقین کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ تیسرا یہ امر ہے۔ کہ تعلیم کے جو ذرائع اور وسائل آجکل پیدا ہو گئے ہیں۔ اُن کا اُس زمانہ میں تو کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور اُس وقت تو مردوں میں بھی کسی شخص کا علم و فضیلت میں شہرت پا جانا بہت کم ہوتا تھا چہ جائیکہ عورتیں اپنے خانگی فرائض اور قدرتی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ عام طور پر ایسی شہرت کے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ رکھتیں۔ اور اسلئے عورتوں کی اُس حالت کا اس حالت سے مقابلہ کرنا جب تعلیم کے وسائل ایسے وسیع ہو گئے ہیں۔ کہ خواہ مخواہ ہر گھر میں تعلیم کو پہنچا رہے ہیں ٹھیک نہیں۔ چوتھا یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اس زمانہ کی مہذب عورتیں اُن خانگی فرائض کو تصور میں بھی نہیں لاسکتیں جو گذشتہ زمانہ میں عورت کی اصل فضیلت کا باعث تھے۔ کیونکہ آجکل کسی قدر تو طرح طرح کی کلوں نے عورتوں کو اُن کے فرائض کے ایک حصہ سے سبکدوش کر دیا ہے۔ اور جو کچھ فرائض اب بھی باقی ہیں۔ اُن کی پروا نہیں کی جاتی۔ درحقیقت گھروں کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے ایسے کام ہیں جن کی طرف توجہ کر کے اور جنہیں پورا کر کے عورت گھر کو ایک جنت بنا سکتی ہے۔ اگرچہ اُن فرائض کی ادائیگی سے وہ ان لوگوں کے دائرے میں شہرت نہیں پا سکتی جو بڑے کہلاتے ہیں۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ عملی طور پر عورت کن کاموں کو کر کے اپنے وجود کو نافع اور مفید ثابت کر سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں تو یہ اس کے گھر کے اندر کے فرائض ہیں۔ وہ

فرائض جو گھر کے اندر تو اہم سے اہم فرائض ہیں۔ جن سے کسی گھرانے کی خوشحالی وابستہ ہے۔ لیکن باہر کے لوگوں کی نظر میں اُنکی وقعت ایسی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ نہ سمجھ لیا جاوے کہ سوسائٹی گھروں سے ہی بنتی ہے۔ اور اسلئے گھر کی خوشحالی ہی سوسائٹی کی خوشحالی کی بُنیاد ہے +

اس موقعہ پر پہنچکر ایک اَور اعتراض پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو پردہ کے برخلاف کیا جاتا ہے اور جس پر سب سے زیادہ مسٹر دلاور حسین نے زور دیا ہے۔ جنکے نزدیک لفظ پردہ سے عورتوں کے مستور ہونے کا مفہوم کافی طور پرادا نہیں ہوتا بلکہ اس کی رائے میں سب سے بڑا نقص عورتوں کے مستور رکھنے میں یہ ہے "کہ اس سے دونوں جنسیں یعنی مرد اور عورتیں ایک بڑی خوشی سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اور عورتیں تبادل خیالات سے اور مردوں کے علوم میں حصہ لینے سے محروم رہتی ہیں"۔ یہ لفظ ایک ایسے انسان کے مُنہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ جس کو مغربی طریق تمدن سے نہ صرف پرجوش محبت ہی ہے۔ بلکہ اندھا تعصب بھی ہے۔ اور اس کے نزدیک پردہ پر یہ دو اعتراض ایسے ہیں جن سے پردہ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ یعنی پردہ سے ایک تو وہ خوشی جاتی رہتی ہے۔ جو مردوں کو غیر عورتوں سے مل کر اور اُن سے باتیں کرکے حاصل ہوتی ہے جس حال میں دونوں فریق ایک دوسرے کے شہوانی خیالات کو اُبھارنیکے لئے پوری کوشش کر رہے ہوں۔ اور دوسرا عورتیں مردوں کے علوم میں حصہ لینے سے محروم رہجاتی ہیں۔ مسٹر دلاور حسین پر مبالغہ ختم ہے۔ اگر پردہ کا سخت سے سخت حامی بھی اُس کے ریمارکوں کو پڑھیگا تو وہ حیران ہوگا۔ کہ آیا وہ کسی خیالی سوسائٹی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ جس کا وجود اُن کے ذہن سے باہر ہے ہی نہیں۔ یا واقعی دنیا میں کوئی ایسے انسان بھی ہیں جن کے حالات مسٹر دلاور حسین کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔ اور یا اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی ٹھیک نہیں تو پھر یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے بیانات کی تائید واقعات سے نہیں کرسکتے۔ بلکہ اس کے لئے اُن کو مبالغہ اور غیر حقیقی امور بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اعتراض کرتے وقت وہ ایک ایسی سوسائٹی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ جس میں کسی مرد کو کسی عورت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ گویا نہ باپ کو بیٹی سے کوئی تعلق ہے۔ نہ خاوند کو عورت سے نہ بیٹے کو ماں سے۔ اور نہ بھائی کو بہن سے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "ہر ایک ہندوستانی گھر کے اندر مرد اور عورت بالکل الگ الگ رہتے ہیں۔ الگ الگ بیٹھتے ہیں۔ الگ الگ باتیں کرتے ہیں۔ الگ الگ کام کرتے ہیں۔ الگ الگ کھانا کھاتے ہیں۔ الگ الگ ملاقاتیں کرتے ہیں"۔ یہ کس قدر کھلا جھوٹ ہے پردہ کا حکم تو گھر سے باہر کے لوگوں کے متعلق ہے۔ نہ گھر کے اندر کے لوگوں کیلئے۔ گھر کے اندر جو مرد اور عورتیں ہیں وہ اکٹھے رہتے ہیں۔ اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ اکٹھے باتیں کرتے ہیں۔ اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ ہاں

کام بیشک الگ کرتے ہیں۔ پردہ تو صرف اُن لوگوں سے ہے جو گھر کے اندر نہیں یعنی اجنبیوں سے اور غیر محرموں سے جن کا عورت سے رشتہ داری کا تعلق دور کا تعلق ہے پس مسٹر دلاور حسین کا بیان ہندوستان کے سخت سے سخت پردہ پر بھی صادق نہیں آتا۔ بلکہ ایسا بیان صرف پردہ کو بُرا کرکے دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ پردہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہیں کرتا۔ بلکہ اُس دائرے کو خاص حدود کے اندر رکھتا ہے جس دائرے کے اندر مرد اور عورتیں مل جل سکتے ہیں پس اگر مسٹر دلاور حسین کی کوئی خواہش ہے تو وہ صرف یہ ہے۔ کہ جب ایک مرد اپنی عورت کی صحبت اور گفتگو سے خوش نہ ہوسکے تو اُسے یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ کہ اَور عورتوں کی صحبت اور گفتگو سے لطف حاصل کرسکے۔ اس لطف کے حاصل کرنے کو کس حد تک وہ محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مسٹر دلاور حسین نے بیان نہیں کیا۔ ایسا ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ جب ایک عورت کو اپنے خاوند سے خوشی حاصل نہ ہوسکے تو وہ اور نوجوانوں کے ساتھ مل جل کر لطف حاصل کرلیا کرے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام اس آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ لطف اور خوشی حاصل کرنے کے تو دنیا میں بہت سارے ذریعے ہیں۔ لیکن ہر حالت میں سوال یہ ہوگا۔ کہ اس طرح پر خوشی یا لطف کا حاصل کرنا جائز ہے۔ اسلئے اہم سوال یہ نہیں کہ لطف اور خوشی کیونکر حاصل کرسکتے ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ذریعے لطف اور خوشی حاصل کرنے کے کونسے ہیں۔ ایک شخص جو دوسرے کی عورت سے زنا کرتا ہے۔ یا جو کسی عورت کو نکال لیجاتا ہے وہ بھی تو یہی عذر کرتا ہے کہ میں نے لطف اُٹھانے یا خوشی حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا۔ پس اُسکو مسٹر دلاور حسین کیا جواب دینگے۔ جو لطف اور خوشی وہ اجنبی عورتوں کی صحبت سے حاصل کرنے کا عذر پیش کرکے پردہ کو منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔ یہی عذر تو ہر ایک زانی بھی کرسکتا ہے۔ ایسا ہی چور اور ڈاکو بھی یہی عذر کرسکتے ہیں کہ ہم نے مال کے حصول سے خوشی اُٹھانے کے لئے چوری کی یا ڈاکہ مارا۔ کیا مسٹر دلاور حسین نے یہ غور کرلیا ہے۔ کہ یہ سب عذر صحیح ہیں۔ اور ان سے بھی انسانوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ عذرات صحیح نہیں تو وہ اپنی پوزیشن پر پھر غور کریں۔ اور سوچیں کہ کسی ذریعہ سے لطف اور خوشی حاصل کرنا اسی وقت تک صحیح ہوگا جب وہی کسی دوسرے کے دُکھ اور رنج کا ذریعہ نہ بن جاوے۔ یا ایسا بننا ممکن نہ ہووے یہ اصول ہر ایک سوسائٹی میں مسلم ہے۔ ہاں جو چیز ہماری اپنی ہے اُس کے متعلق ہمیں پورا حق حاصل ہے۔ کہ اُس سے پوری پوری خوشی حاصل کریں۔ اب مسٹر دلاور حسین وہ درمیانی خط کھینچ کر دکھاویں۔ کہ کس حد تک ہمیں غیروں کی چیزوں سے لطف اور خوشی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ شاید وہ آسانی سے یہی جواب دینگے کہ اسلام نے جو حدود قائم کئے ہیں۔ وہ بہت تنگ ہیں

اور اُن کو اُس حد تک وسیع کرنا چاہیئے جس حد تک مغربی لوگوں نے وسیع کیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ کوئی وجوہات ایسے بیان کر سکتے ہیں جن کی بناء پر ایسی توسیع ضروری ہو بلکہ اس لئے کہ اُن کو اسلام کے ہر ایک قائم کردہ اصول سے نفرت اور مغربی تہذیب کے ہر ایک اصول سے پیار ہے لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یورپ کے لوگ اس ناجائز آزادی کے نقصان کو خود محسوس کرنے لگے ہیں بہت دن نہیں ہوئے کہ کیکسٹن ہال میں ایک جلسہ میں جس میں پردہ کے مضمون پر بحث ہو رہی تھی میجر جنرل ڈکسن نے بیان کیا۔ کہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ مَیں مشرقی پردہ کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اور مسز تھیوڈور بیک نے (جو مسٹر بیک پرنسپل علیگڈھ کالج کی بیوہ ہے) اس بات پر زور دیا۔ کہ وہ پرلے درجہ کی آزادی جیسے ساتھ مغربی عورتیں نامحرم مردوں کے ساتھ میل جول کر سکتی ہیں بہت ناپسندیدہ ہے (دیکھو اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ)۔

ہمارے ہندوستانی دوست جو پردہ کے موہوم مضرات کے خلاف شور مچا رہے ہیں ایک لمحہ کیلئے اس ناجائز آزادی پر غور نہیں کرتے جو مغرب میں عورتوں کے میل جول میں برتی جاتی ہے۔ وہ خوشی جو مردوں کو مختلف قسم کی عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے اور بات چیت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے وہ حاصل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کے بدنتائج یورپ ضرور بھگت رہا ہے۔ اور اس ناجائز میل جول نے بہت سے گھروں کی سچی خوشی پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ کبھی غور نہیں کیا جاتا کہ وہ کونسی بات ہے جس نے بہت سارے گھرانوں کی خوشی کو تباہ کر دیا ہے۔ اور جہاں خوشی ہی خوشی ہونی چاہیئے تھی وہاں ماتم کا لباس پہنا دیا ہے۔ ان تمام ضرروں کا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی عورتوں کے غیر محرم مردوں کے ساتھ کھلے تعلقات۔ یہ ضرر انسانی تمدن میں ایسا خلل انداز ہے۔ کہ اگر ایک عورت یا خاوند ناجائز تعلقات پیدا کر کے گھر کی خوشی اور امن میں خلل ڈالتا ہے۔ تو جو فائدہ ہزاروں آدمیوں کو ایسے مرد یا عورت کی صحبت اور گفتگو سے حاصل ہوا ہو وہ اس نقصان کے مقابل میں ہیچ ہے۔ اگر ایک امیر آدمی کو لوٹ کر دس ہزار بھوکوں کو کھانا کھلایا جاوے تو کوئی مدنی انسان اس فعل کو جائز نہیں سمجھیگا۔ خاوند کی محبت عورت کی ملکیت ہے۔ اور عورت کی محبت خاوند کی ملکیت۔ اور وہ قوم بہت ہی بدقسمت ہے جو انسانوں کے پیسوں کی تو حفاظت کرتی ہے لیکن اس محبت کی حفاظت کے لئے کچھ نہیں کرتی۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہر ایک محبت جو ایسے دو اشخاص میں پیدا ہوتی ہے وہ ناجائز نہیں۔ تاہم جب ایک دفعہ حد کو توڑ ڈالا جاویگا تو پھر اس حد کا قائم کرنا مشکل ہوگا۔ کیا اس ناجائز آزادی کا کہ عورت یا خاوند میں سے کوئی کسی تیسرے سے

تعلق پیدا کرسکتا ہے۔ یہ لازمی نتیجہ نہیں ہوگا کہ جب ایک عورت اپنے خاوند کو کسی وجہ سے خوش کرنے کے قابل نہیں رہیگی تو وہ اُور کسی جگہ تعلق پیدا کریگا۔ اور ایسا ہی جب عورت مرد سے خوش نہ ہوگی۔ تو وہ بھی ناجائز تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کریگی۔ یہ محض ایک دعوےٰ ہی نہیں۔ بلکہ امر واقع ہے کہ ان ممالک میں جہاں ایسی آزادیاں ہیں اس قسم کے واقعات بکثرت پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو شخص اطمینان کرنا چاہے وہ محکمہ طلاق کی کارروائیوں کو پڑھ کر دیکھ لے۔ ہاں اسی بدی کا علاج اسلام پردہ سے کرتا ہے۔ کیونکہ ان ناجائز اور کھلے تعلقات کو بند کرکے وہ بدکاری کے سامان یا ٹھوکر کھانے کے ذرائع کو کم کرتا ہے+

ہم پھر پردہ کی منسوخی کے مجوزوں کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ امتیازی خط کھینچا جاوے۔ جہاں غیر محرم مردوں اور عورتوں کے تعلقات ختم ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ہم خیال نہیں کرتے کہ کسی مہذب انسان کا یہ خیال ہو کہ جس حد تک اور جس قسم کا تعلق کوئی مرد چاہے کسی ایسی عورت سے پیدا کرسکتا ہے جو اُس کی بیوی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اب یوروپ کے اکثر ملکوں میں زنا جیسی بدکاری قانونی جرم نہیں رہی۔ اور اس سیاہ کاری کو سوسائٹی کے امن میں مخل نہیں سمجھا جاتا۔ تاہم ابھی یہانتک نوبت تو نہیں پہنچی کہ اسے اخلاقی جرم بھی نہ سمجھا جاوے۔ ہم لوگ تو مغربی تہذیب کے اصول سے ناواقف ہیں۔ اور اس لئے ہمیں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیوں ان ممالک میں ایک شلنگ کے چرانے کو تو جرم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی خفیف حرکت سے سوسائٹی کے امن میں کوئی ایسا بڑا خلل بھی نہیں آتا۔ اور نہ ہی اُس فرد کی خوشی کو کوئی عظیم الشان صدمہ اس سے پہنچتا ہے لیکن اُس آدمی کے فعل کو مجرمانہ نہیں سمجھا جاتا جو ایک آدمی کی عورت سے زنا کرکے یا اُسکی لڑکی کو نکال کر سارے گھر پر تباہی لاتا اور انکی ساری خوشی کو خاک میں ملاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری مشرقی سمجھیں ابھی اس عقدہ کو سمجھنے کے قابل نہ ہوئی ہوں۔ مگر اس قدر تو معلوم ہوتا ہے کہ مشرق یا مغرب کی کسی مہذب قوم نے اب تک زنا کو جائز فعل یا حمیدہ فعل نہیں سمجھا۔ اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زنا کے علاوہ دوسرے افعال جو مرد اور عورت کے ناجائز تعلقات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی نسبت کیا فیصلہ ہے۔ اس معاملہ میں بیشک اختلاف رائے ہے مسلمانوں میں جو عصمت اور اخلاق کے معنے سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی رو سے تو غیر عورت کی طرف دیکھنا بھی درست نہیں۔ اور پھر نظر بد سے دیکھنا آنکھ کا زنا کہلاتا ہے۔ اور ایسا ہی شہوانی خیالات سے اس کے ساتھ گفتگو کرنا یا اُسکی طرف چل کر جانا یا اُسے ہاتھ لگانا یہ سب باتیں ایک طرح پر زنا ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اور ان امور کو مبادی زنا

مانا گیا ہے۔ لیکن مغربی تہذیب میں اِن باتوں کو ایسا بُرا نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ اسلام میں وہ زنا کی طرح ہی خطرناک بدیاں سمجھی گئی ہیں۔ اور ان سب باتوں سے ویسا ہی بچنا چاہیئے جیسا زنا سے۔ انہیں امور کی روک کے لئے پردہ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ تا ابتدا میں ہی ان باتوں کی جڑ کٹ جاوے۔ اور وہ امور ہی پیدا نہ ہوں جیسے غیر محرم مرد اور عورت کا تخلیہ یا عورت کا زیب و زینت کر کے غیر محرم مردوں کے سامنے نکلنا وغیرہ جن سے زنا کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔ اور اگر ان تمام امور سے بچنے کی تجاویز کرنا مسٹر دلاور حسین کے نزدیک بے سود ہے تو اُسے قایل کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اُن لوگوں کے درمیان جن میں زنا یا عورت کو نکال کر لے جانا جرائم نہیں سمجھے جاتے۔ یا کم از کم سخت جرائم نہیں سمجھے جاتے ایسے امور کو جن سے زنا وغیرہ کی ابتدا ہوتی ہے سخت نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاویگا۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک ایسے سب افعال سخت درجہ کی سیہ کاری میں داخل ہیں۔ پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر زناکاری یا اغوا ایسے بُرے افعال سمجھے جاویں جن سے ہر ایک انسان کو نفرت کرنی چاہیئے اور کوسوں بھاگنا چاہیئے تو پھر یہ ضروری ہوگا۔ کہ ان تمام افعال کے جو غیر مردوں اور عورتوں کے تعلقات کا نتیجہ ہیں انسداد کی تدبیر کرنا ضروری سمجھا جاوے اور وہ تمام افعال جو خواہ زنا یا اغوا کی حد تک تو نہ پہنچیں لیکن ان بدیوں کے محرک ہوں اور انسان کو اس طرف لے جانے والے ہوں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھے جانے چاہئیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کا انسداد ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک غیر محرم مردوں اور عورتوں کا کھلا میل جول جائز سمجھا جاویگا۔ اور جوان مردوں اور عورتوں کو جو ایک دوسرے کے محرم نہیں تنہائی میں اکٹھے ہونیکا موقعہ دیا جاویگا۔ پس اصل انسداد ان دونوں باتوں کا چاہیئے اور یہی پردہ کرتا ہے۔ اسلام کا مقدس مذہب اس ناقص اخلاقی حالت پر خوش نہیں ہوتا جس میں زنا اور اُس کے مبادی کو خطرناک جرائم اور ڈراونی چیزیں نہیں سمجھا جاتا۔ اور چاہتا ہے کہ انسان کا دل ایسا پاکیزہ ہو جس کے اندر کوئی بد خیال داخل نہ ہو سکے مغربی قوموں کی پرلے درجہ کی بیقیدی اور آزادی کے ساتھ دل کی ایسی پاکیزگی جیسی اسلام چاہتا ہے جمع نہیں ہو سکتی۔ اور مسٹر دلاور حسین کو اختیار ہے۔ کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے اپنے لئے بطور نمونہ پسند کرے ؁

الغرض اس اعتراض کو غور کی نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ محض دھوکا ہے معترض کا یہ خیال ہے۔ کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں کی صحبت سے دور رکھ کر اسلام بہت ساری انسانی خوشی کے ضائع کرنیکا موجب ہے۔ مگر یہ ٹھیک نہیں پردہ انسانی خوشی کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا محافظ ہے۔ اور ان راہوں کو بند کرتا ہے جن راہوں سے سچی انسانی خوشحالی دُور ہو سکتی ہے۔ انسان کو سچی خوشی غیر عورتوں

کے ساتھ ملنے جلنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ سچی خوشی کا ذریعہ مرد و عورت کا جائز تعلق ہے۔ اور اسی سچی خوشی کا جو انسان کو اپنے گھر میں حاصل ہوتی ہے پردہ محافظ ہے۔ وہ جھوٹی خوشی جس کی مسٹر دلاور حسین خواہش ظاہر کرتے ہیں سچی انسانی خوشی کی دشمن ہے۔ اور سوسائٹی میں بجائے خوشی کے غم اور رنج کو لاتی ہے۔ جو لوگ کسی امر میں قوم کے مصلح بن بیٹھتے ہیں ان کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ہر ایک امر کے دونوں پہلوؤں پر غور کر لیں جسے وہ انسانوں کی بہتری کے لئے تجویز کرنا چاہتے ہیں۔ انسان کا سچا ہمدرد وہی ہے جو کسی ظاہری کشش کا ایسا دلدادہ نہیں ہو جاتا کہ ایک اصول کے نقصانوں اور مضرتوں کو بالکل فراموش کر دے۔ مسٹر دلاور حسین پر ہمیں بار بار یہ تعجب آتا ہے۔ کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہوئے بھی نہیں جھجھکتے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کے دل کے سارے خیالات شہوانی جذبات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس امر پر زور دے رہے ہیں۔ کہ عورتوں کو زیب و زینت کر کے غیر محرم مردوں کے ساتھ کھلے طور پر ملنا جلنا چاہئیے اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف حاصل کرنا چاہئیے۔ کیا عجیب بات ہے۔ شہوانی جذبات بھی عجیب قسم کے جذبات ہیں۔ کہ مرد و عورت کے جائز تعلق سے تو پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن جہاں ناجائز طور پر مرد و عورت کا اجتماع ہو وہاں پیدا نہیں ہوتے۔ اصل میں یہ سوال بہت پیچیدہ نہیں۔ اور ایک ہی بات سے اس کا آسانی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر پردہ عورتوں کی تعلیم میں مخل نہیں اور ان کو کاروبار کرنے سے نہیں روکتا۔ اور ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ وہ ان دونوں باتوں سے منع نہیں کرتا۔ تو پردہ کے دور کرنے سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں۔ اور بے پردگی سوائے گھروں کے سچی خوشی کے دور کرنے اور غم اور رنج پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ پردہ کی بجائے تعلیم کو مروج کرنا چاہئیے۔ گویا پردہ اور تعلیم کوئی دو متضاد امور ہیں حالانکہ یہ سچ نہیں اور پردہ میں رہ کر بھی عمدہ سے عمدہ تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس امر پر غور نہیں کیا جاتا کہ اکیلی تعلیم تو یہ نتیجہ حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اگر خالی تعلیم سے کوئی ایسا نتیجہ پیدا ہوا ہے تو اسے پیش کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیوں اس سیدھے طریق کو اختیار نہیں کیا جاتا کہ جس قدر تعلیم سے نقص رفع ہو سکتے ہیں۔ اور جو کچھ اس سے انسان کے چال چلن اور سمجھ میں مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے وہ بھی ہونے دیجاوے۔ اور یوں تعلیم کا فائدہ اٹھایا جاوے۔ اور پھر ساتھ اس کے باقی نقصوں کو دور کرنے کیلئے جن کیلئے تعلیم ہرگز روک نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اب تک ہوئی ہے۔ پردہ کے مفید اصول کو قائم کر کے دنیا سے ایک بھاری بدی کو دور کیا جاوے۔

یہ امر طے ہو جانے کے بعد کہ جو خوشی غیر محرم عورتوں کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے وہ سچی انسانی خوشحالی کے تباہ کرنے کا موجب ہے۔ اب ہم مسٹر دلاور حسین کے دوسرے اعتراض پر غور کرتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ جس صورت میں غیر محرم مرد اور عورتیں اکٹھے مل جل کر بیٹھ نہیں سکتے اور گفتگو کر نہیں سکتے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خیالات کے تبادل سے عورتیں محروم رہ جاویں گی۔ اور جو علوم مردوں کے ذریعہ دُنیا میں آوینگے اُن میں وہ شریک نہیں ہو سکینگی۔ اور اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکینگی۔ پردہ کی منسوخی کے مجوز اور سخت مروجہ پردہ کے حامی دونوں ایک ہی غلطی کے مرتکب ہیں۔ وہ عام لوگوں کی حالت پر غور نہیں کرتے اور اور انسانوں کی بڑی بھاری تعداد کے فواید کو چھوڑ کر اور صرف چند لوگوں کو مدنظر رکھ کر وہ نتائج پیدا کرتے ہیں جن کا اثر کل انسانوں پر پڑتا ہے حالانکہ ایسے قواعد تجویز کرنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ بڑے حصہ کی حالت کو دیکھا جاوے۔ اور جو چند کس ان عوام سے الگ ہیں اُن کو بطور مستثنٰے کے سمجھا جاوے۔ اصل سوال اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت کے کام کا اصل دائرہ کیا ہے۔ عورت سے مراد ہماری وہ عورتیں نہیں جو علمی اشغال رکھتی ہیں کیونکہ وہ تو شاذ و نادر کے طور پر پائی جاتی ہیں بلکہ عورت سے مراد کام کرنیوالی عورتیں ہیں۔ اور اسی جماعت میں دُنیا کی بڑی کثیر تعداد آتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ عورت عملی طور پر کس حالت میں مفید ہو سکتی ہے۔ اور اسی سوال سے ساری بات طے ہو جاتی ہے۔ اگر ہم کوئی ایسی سوسائٹی فرض کر لیں جس میں عورتوں کو سوائے علمی اشغال کے اَور کوئی شغل نہ رہے یا کم از کم علمی اشغال ہی ان کے سب سے بڑھ کر ضروری اور اہم اشغال ہوں۔ تو بیشک مسٹر دلاور حسین کے اعتراض کو وقعت کی نظر سے دیکھنا ضروری ہوگا لیکن کیا ایسی حالت کا نفس الواقع ہونا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ وقت بھی آ جاویگا جب انسانوں کی ایک کثیر تعداد ہر ایک قسم کی محنت اور کاروبار سے فارغ ہو جاویگی۔ اور علمی مشاغل کے سوائے اَور کوئی مشغلہ اُن کا نہ رہ جاویگا بظاہر ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جو اس کی تائید کرتا ہو۔ مغربی تہذیب کے پھیلنے کا اگر دنیا میں کوئی اثر ہؤا ہے تو یہ ہوا ہے کہ کاروبار کے مشغلے اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بہت ساری سہولتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ مگر تاہم اس سے انسانی محنت اور کاروبار میں کسی قسم کی تخفیف نہیں ہوئی۔ بلکہ بہت سارے نئے نئے میدان انسانی محنت کے لئے پیدا ہو گئے ہیں اس لئے جہانتک ہمارے موجودہ ذرائع علم کے ہیں ہم اسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ آدمیوں اور عورتوں کی کثیر تعداد کاروبار اور محنت سے کبھی فارغ نہیں ہو سکتی۔ اور علمی مشاغل ایک تنگ دائرہ تک ہی محدود رہ سکتے ہیں۔ اصل غلطی جو پردہ کے متعلق ہر دو فریق کر رہے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ وہ عوام کی حالت پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ چند ایک ممتاز انسانوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ وہ نکالتے ہیں جس کا اثر عوام پر پڑتا ہے

اوراس لئے ہر دو کے نتائج غلط وجوہات پر مبنی ہیں +

جو لوگ اپنے آپ کو عورتوں کا ہمدرد ظاہر کرتے ہیں وہ شاید یہ سُن کر خوش نہ ہوں کہ عام انسانوں کی حالت پر وسیع نظر کر کے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت کے اصلی اور اہم فرائض گھر کے اندر کے فرائض ہیں کیونکہ عورت کی اصلی حیثیت زوجہ اور ماں ہونیکی حیثیت ہے۔ اور اس حیثیت سے ہم اُس وقت تک عورت کو الگ نہیں کرسکتے جبتک کہ دنیا کا اور اُس کے ساتھ تمام تہذیبوں کا خاتمہ فرض نہ کرلیں پس کوئی تہذیب بھی اس قانون قدرت کو ٹال نہیں سکتی جس کے رو سے قدرت نے بچے جننے اور اُن کی پرورش کرنے کا بوجھ عورت کے ذمے ڈالا ہے اور نہ ہی کسی مہذب قوم کی عورتوں نے اب تک اس بوجھ سے آزادی حاصل کرلی ہے۔ ہاں اگر ہمارے مسلمان بھائیوں پر یہ ثابت ہوجاتا کہ بچہ جننے کا بوجھ مغربی تہذیب نے عورت سے ہٹا دیا ہے۔ تو البتہ عورتوں کے ساتھ اُن کی ہمدردی کا اُس وقت یہ تقاضا تھا کہ وہ کہتے کہ ہماری عورتیں بھی اس بوجھ سے آزاد ہونی چاہئیں۔ مگر جس صورت میں ابھی تک تہذیب اس سے قاصر ہے۔ اور آئندہ بھی کوئی صورت اس قانون قدرت کے ٹل جانے کی نظر نہیں آتی تو ضرور ہے۔ کہ ہر ایک سوسائٹی میں عورت کے خانگی فرائض اور گھر کے اندر کے کاروبار کو اُس کے اصلی فرائض قرار دیا جاوے۔ لفظ کہدینا تو آسان بات ہے جیسے مسٹر دلاور حسین کہتے ہیں کہ عورت زمین پر اپنی اُس آسمانی اور فرشتوں والی خصلت کو ظاہر کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر اُنھوں نے یہ نہیں سوچا کہ عورت کی یہ خصلت کیونکر کب اور کہاں ظاہر ہوسکتی ہے۔ کیا اس کا ظہور بڑے بڑے علمی لکچروں کے سننے یا پولیٹیکل جھگڑوں میں وقت ضائع کرنے یا عام مجمعوں میں مباحثات کرنے سے ہوگا۔ یا اُن چھوٹے چھوٹے کاموں کے ذریعہ سے عورت کی یہ محبت ظاہر ہوتی ہے جو غیروں کی نظر میں تو چھوٹے چھوٹے ہیں مگر جو درحقیقت بڑے مفید اور قیمتی کام ہیں گھر کے اندر کے کام جیسے خاوند کے ساتھ اعلےٰ درجہ کی محبت اور نیکی کا سلوک اور خاوند بیٹوں اور بھائیوں کے ساتھ اس محبت کا اظہار اور انکی خدمتگذاری بچّوں کی پرورش اور نیک تربیت اپنے گھر میں بوڑھوں اور کمزوروں اور بیماروں کی خبرگیری میں اَن تھک محنت اور صبر اور استقلال سے کام لینا اور یا سخاوت اور فیاضی کے وہ کام جنمیں عام انسانوں کی ہمدردی پائی جاوے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہی موخر الذکر کام ہی وہ کام ہیں جنمیں عورت کی سچی محبت کا اظہار ہوسکتا ہے مسٹر دلاور حسین کو اختیار ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ عورت کی یہ خصلت جس کا اظہار اُنکو ایسا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکچروں کے سُننے اور ملکی امور میں جھگڑے کرنے سے ہی ظاہر ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ گھر کے اندر اُن کو ایسے اظہار کے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ مگر دنیا نہ یہ سمجھتی ہے اور نہ ہی سمجھ سکتی ہے۔ کیونکہ تمام دُنیا کے نزدیک عورت کے اعلےٰ درجے کے صفات

گھر کے اندر ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جس اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے کام کے لئے اُس کو قدرت نے بنایا ہے وہ گھر کے اندر کا ہی کام ہے۔ مگر صرف ذہنی قوے کی تیزی سے عورت کے ان صفات کے اظہار میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ اور اس لئے عورت کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز وہ نہیں جس پر مسٹر دلاورحسین زور دیتے ہیں۔ کہ اُسکی گفتگو کے دائرے کو وسیع کیا جاوے اور اُسے موقع دیا جاوے کہ ہر روز ایک نئے اجنبیوں کے دائرے میں فضول باتیں کر کے اُن کو خوش کر آیا کرے یا اُن سے خوش ہو آیا کرے۔ ہر ایک ضروری اور کام کی گفتگو کے لئے اُسے اپنے گھر کے اندر بھی بہت سارا موقعہ ملتا ہے۔ بلکہ یہی محبت کی گفتگو جو عورت کو گھر کے اندر نصیب ہوتی ہے وہ گفتگو ہے جو انسان کی خوشی کو بڑھاتی ہے اور اُس کے لئے تسکین کا موجب ہوتی ہے ؛

اس اعتراض میں ایک اَور غلط فہمی بھی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے کسی شخص کے علوم سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اُس سے مل کر گفتگو کرنا لازمی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک بڑے آدمی کے علم سے کُل کی کُل دُنیا سوائے اُن معدودے چند اشخاص کے جنکو اُن کے ساتھ گفتگو کا موقعہ ملتا بکلی محروم رہ جاتی اور یوں علم کے سارے ذخیرے ہمیشہ کے لئے برباد جاتے۔ بلکہ خدائے تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کر دئیے ہیں۔ کہ تنہائی کے گوشہ میں بیٹھ کر بھی ہم ہر ایک زمانے کے بڑے بڑے آدمیوں کی باتوں کو سن سکتے ہیں۔ اور ان کے علوم سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ آج کل جو گفتگو کا جنون ہو رہا ہے۔ اس میں عورتوں کو بھی شامل کیا جاوے۔ یہ ہماری سمجھ میں بالکل فضول بلکہ نقصان دہ امر ہے۔ ان گفتگوؤں کا ماحصل کیا ہوتا ہے؟ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ مَیں کچھ باتیں کر کے اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیر کر بڑا آدمی بن جاؤں۔ اور گفتگو کسی غرض سے نہیں کی جاتی سوائے اس کے کہ اُسوقت سامعین پر اس کا اثر پیدا ہو اور وہ گفتگو کرنے والے کو بڑا آدمی سمجھ لیں۔ یہ بیماری اس وقت مغربی سوسائٹی کو لگی ہوئی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کی گفتگوئیں قدرتی طور پر ہوں۔ اور اخلاص کی باتوں سے اصل غرض کسی کو فائدہ پہنچانا ہو ہر جگہ یہ مقابلہ لگا ہوا ہے کہ ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ مَیں ہی چند باتیں کر کے بڑا آدمی بن جاؤں۔ اور وہ باتیں صرف موقعہ کے لحاظ سے کی جاتی ہیں نہ نتیجہ کے لحاظ سے۔ پس سچی اور حقیقی طور پر مفید گفتگو وہی ہے جو یا تو سچے اور مخلص دوستوں کے درمیان ہو سکتی ہے اور یا گھر کے اندر۔ مگر جہاں ہر ایک شخص کا یہی خیال ہو کہ میں ہی گفتگو کر کے سامعین کے اندر شہرت پا جاؤں۔ ایسی گفتگو سے احتراز ہی لازم ہے۔ اور ہر ایک انسانوں کے بہی خواہ کا فرض ہے۔ کہ وہ اس قسم کی جھوٹی اور بناوٹی گفتگوؤں سے جن کی غرض نہ کسی امر کا احقاق ہوتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی واقعی اور حقیقی فائدہ۔ خود بچے اور دوسروں کو بھی اس سے

بچانیکی کوشش کرے کسی سوسائٹی کی اندھا دھند تقلید کرنے سے انسان کامیاب نہیں ہو سکتا ہاں اگر کوئی حکمت کی بات ہمیں مغربی سوسائٹی میں بھی نظر آجاوے تو ہمارا فرض ہے کہ اسکو حاصل کرنیکی کوشش کریں +

(باقی آئندہ)

نوٹ اور ریویو

نیوگ: نیوگ کے مسئلہ پر جیسے آریہ سماج میں اسکی تعلیم دیجاتی ہے کئی دفعہ ہم اسی رسالے میں بحث کرچکے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ آریہ سماج کو یہ توجہ دلائی گئی تھی۔ کہ اگر وہ واقعی نیوگ کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور اُسے اخلاق فاضلہ سے گرا ہوا خیال نہیں کرتے تو وہ ایسے مردوں اور عورتوں کی صحیح صحیح فہرست شائع کریں جنہوں نے واقعی نیوگ کیا اور کرایا اور پھر ایسے تعلقات سے جو اولاد پیدا ہوئی ہو اُسکی بھی فہرست شائع کریں۔ تاکہ پبلک کو یہ یقین آجاوے کہ واقعی سماج اس اصول پر جسکی تعلیم خود سماج کے بانی نے دی ہے کاربند ہے۔ اور ایک ایسے فعل کے کرنے میں سماج کو کچھ عار نہیں جو تمام دنیا کے نزدیک شنیع سمجھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آریہ سماج اس قدر اخلاقی جرأت نہ دکھا سکا کہ اس درخواست کے مطابق وہ ایک فہرست شائع کر دیتا لیکن اب ہمیں اس کے پورا ہونیکی کسی قدر امید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو آریہ سماج کے بڑے معزز اور مقتدر ممبروں نے پبلک میں نیوگ کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ آریہ اخبارات عام پبلک کے سامنے اس تعلیم کے فلسفہ کو پیش کرکے ضرور اُن کا اطمینان کرنے کی کوشش کرینگے۔ اور فہرستوں والے مطالبہ کو بھی پورا کئے بغیر نہ چھوڑینگے۔ کیونکہ مباحثہ میں صحت نیت شرط ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک جائز مطالبہ کو پورا کیا جاوے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس مباحثہ کا فریق ثانی یعنی برھمو سماج بھی یہی مطالبہ آریہ سماج سے کر رہا ہے۔ چنانچہ برھمو سماج کا انگریزی اخبار یونیٹی اینڈ منسٹر جو کلکتہ سے نکلتا ہے۔ لکھتا ہے۔ "**آریہ سماج کے اصول اخلاق** جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ آریہ سماج ایک طرف تو دیگر معاملات میں تہذیب یافتہ ہے۔ اور ملک کی حالت کو بہتر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف اخلاق کے پہلے اصول کو بھی نہیں سمجھ سکتا تو یہی سمجھ آتا ہے کہ انسانی فطرت کے اندر ہی ایسا تضاد موجود ہے ہم اس جوش کو دیکھ کر حیران ہیں۔ جس جوش سے یہ لوگ نیوگ (جس کا لفظی ترجمہ اُس لحاظ سے جو یہ لفظ یہاں لکھا گیا ہے خلاف مناکحت ہے) کی تائید اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اپنی زوجہ کے سوا دوسری عورت سے تعلق پیدا کرنا اس غرض سے کہ اولاد پیدا کی جاوے۔ ایک آریہ سماج کے لیڈر نے ایک لکچر کے اثنا میں جو

اُس نے ایک سماج کے جلسہ میں دیا۔ اس بدکاری کی رسم کی جس کی کسی طرح پر حمایت نہیں کی جاسکتی تائید اور حمایت میں بہت کچھ کہا۔ ایک آریہ اخبار نے اس خطرناک سیکاری کو تمام بدیوں کا تریاق بیان کیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ جن لوگوں کے اخلاقی معیار میں یہ بدرسم ہے وہ قابل رحم لوگ ہیں جن کی قسمت میں جہالت کے اندر غرق رہ کر تباہ ہونا لکھا ہے۔ کیا کوئی انسان ایسا اندھا بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن جب مذہبی تعصب اور طرفداری کسی شخص کو اندھا کر دیتی ہے تو اُسے اُسکی غلطی کا قائل کرنا قریباً ایک محال امر ہو جاتا ہے۔ اگر سچ سچ کہا جاوے تو تھوڑے نرم الفاظ میں ہم یہ کہینگے کہ یہ رسم ساتویں حکم کی خلاف ورزی ہے (یعنی توریت کے دس احکام میں سے ساتویں حکم کی) کیا ہمارے آریہ دوست ان اشخاص کی ایک فہرست شائع کرسکتے ہیں یعنی اُن مردوں اور عورتوں کی فہرست اُن کے صحیح صحیح نام اور مفصل پتے دے کر جنہوں نے درحقیقت اس قسم کے تعلقات پیدا کیئے ہیں "

اخبار مذکور کے اخیری الفاظ کو ہم اس جگہ نقل نہیں کرتے کیونکہ اخبار آریہ پتر کا اُن کی سختی کا شاکی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سختی کے بہانے سے اس معقول درخواست کا جواب دینے سے ہی انکار کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی سختی اخبار مذکور نے کی بھی ہو تو یہ اس کا قصور نہیں بلکہ خود نیوگ کی تعلیم ہی انسان کے اخلاقی احساسات کو اس قدر صدمہ پہنچانیوالی ہے کہ حقیقت نیوگ کو کھولکر دکھانا ان لوگوں کیلئے جن کے مذہب کی روح و روان ہی نیوگ ہے اشتعال اور رنج کا باعث ہو جاتا ہے بلکہ یہ تو ایک الگ امر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کبھی کوئی انسان کسی عقیدہ کو غلط یقین کر کے یا کسی رسم کو نقصان دہ سمجھ کر اس پر حملہ کرتا ہے تو اُس کو لازماً ایسے لفظ استعمال کرنے پڑتے ہیں جو کسی قدر دُرشت ہوتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ نیوگ کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس کو نہایت نرم الفاظ میں بیان کرنا بلکہ اُن الفاظ مین بیان کرنا جن الفاظ میں آریوں کی کتاب مقدس یعنی ستیارتھ پرکاش میں یہ بیان کیا گیا ہے مباحثہ کی تہذیب پر کسی قدر اثر ضرور ڈالتا ہے۔ ہاں جب ایک شخص کو مجبوراً حق اور باطل میں فرق کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ تو اس کو یہ ناگوار کام بھی کرنا پڑتا ہے یعنی اصول نیوگ کو بیان کرنا پڑتا ہے۔ پس مخالف مباحث اُس وقت تک بالکل معذور ہے جب تک وہ کسی مذہب کے اصول پر موافق یا مخالف لکھتا ہے ہاں اگر وہ ذاتیات پر حملہ کرے تو بیشک قابل مواخذہ ہے لیکن اگر ناپاک رسموں کو مذہبی عقاید میں داخل کر دیا جاوے تو پھر کسی منقد کا اس میں کیا قصور ہے۔ اسی وجہ ہم مسٹر ہردیال ایم۔ اے کو بھی اس ریزولیوشن کی تحریک کرنے میں حق پر سمجھتے ہیں۔ کہ "لاہور کے باشندوں کا یہ جلسہ یہ ریزولیوشن پاس کرتا ہے۔ کہ نیوگ کا اثر ہماری سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے لئے سخت خطرناک اور نقصان رساں ہے"۔ اگر آریہ سماج یہ بات چاہتا ہے کہ نیوگ کو بھی

سمجھا جاوے تو اُس کا فرض ہے کہ

دوسرے مذہبی اعتقادوں کی طرح پبلک کو یہ اطمینان دلاوے کہ اس رسم میں واقعی کوئی بات خلاف تہذیب نہیں اور یہ بھی ثابت کرے کہ آریہ اخباروں میں اس قسم کے اشتہارات کا نکلنا کہ فلاں شخص نیوگ کے لئے تیار ہے پس جو عورت نیوگ کرانے کی خواہشمند ہے۔ وہ اُس سے نیوگ کرا دے فحش کی حد تک نہیں پہنچتا +

وہ کیا چیز ہے جو عیسائیوں کو اسلام میں نظر نہیں آتی:۔ ایک لیکچر میں جو بمقام برسٹل کلیسیا کے ایک مجمع میں "عیسائیت اور دوسرے مذاہب" پر دیا گیا۔ پادری ایچ جی گرے نے جو اس سے پہلے پنجاب میں پادری رہ چکے ہیں اور اب وکلف ہال اکسفورڈ کے پرنسپل ہیں مذہب عیسوی کا اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ اسلام کی پاک کتاب یعنی قرآن شریف "گناہ کی حقیقت بیان کرنے یا گناہ سے......چھڑانے کے لئے کوئی نئی چیز نہیں لایا جو معمولی قانون قدرت سے باہر ہو۔ اور اس میں مسیح مصلوب یا مسیح مبعوث .... جیسی کوئی چیز نہیں ہے"۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو ہر ایک مسلمان فخر سے بیان کر سکتا ہے کہ اسلام کا پاک مذہب واقعی کوئی ایسی بیہودگی جیسے کفارہ یا تثلیث کے نہیں سکھاتا بلکہ وہ طریق بتاتا ہے جو عقل اور قانون قدرت کے مطابق ہے۔ جیساکہ یہ امر یقینی ہے کہ خدا موجود ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا اور پھر جیسا کہ یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو وہ طریق سکھایا ہے جس پر چل کر وہ گناہوں سے نجات پا سکتے ہیں۔ ایسی ہی قطعی اور یقینی یہ بات ہے کہ کفارہ انسانوں کا اپنا اختراع ہے۔ اور گناہ کا تریاق نہیں بلکہ ایک زہر ہے جو جو اس کے پھلوں کو ہلاک کر دینے والا ہے۔ کیا عیسائیوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا حالانکہ وہ توریت اور دیگر صحف انبیاء کے الہامی ہونے پر یقین رکھنے کا دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہزارہا سال تک خدا تعالےٰ گناہ سے نجات کا ایک طریقہ بذریعہ وحی کے اپنے خاص بندوں کی معرفت بتاتا رہا حالانکہ بموجب اعتقاد عیسائیوں کے وہ غلط طریقہ تھا گویا خدا خود ہی اپنے کلام سے انسانوں کو غلطی میں ڈالتا رہا۔ اگر وہ طریق جو اسلام گناہ سے نجات کے لئے پیش کرتا ہے صحیح نہیں ہے تو عیسائیوں کو یہ ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالےٰ نے خود ہی ہزارہا انسانی نسلوں کو یہ طریقہ سکھا کر غلطی میں مبتلا کیا۔ کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کو سکھایا گیا جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان سچے نبی اور خدا کی طرف سے تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی اندھیر ہو سکتا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ یہ علاج جو ہزارہا سال کے بعد خدا کو بموجب اعتقاد عیسائیاں سوجھا وہ ایسا نکما نکلا کہ سترہ یا اٹھارہ سو سال کے عرصہ کے اندر اندر اس کا پول ظاہر ہو کر تمام عقلمند انسانوں کو اس سے برگشتہ ہونا پڑا۔ اور عیسائی کہلا کر بھی یہ اعتقاد چھوڑنا پڑا بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس وقت کل عیسائی دُنیا باستثنائے اُن لوگوں کے جن کو تعصب حق

دیکھنے نہیں دیتا اِس کفارہ کے عقیدہ سے بیزار ہو چکی ہے۔ اور اس امر کو تسلیم کر چکی ہے کہ کفارہ گناہ کا علاج نہیں اور مسیح کا جی اُٹھنا ایک کہانی ہے۔ بلکہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار سب اسی بات پر متفق ہیں۔ اور انسکلوپیڈیا ببلیکا اس پر شاہد ہے۔ کہ مسیح کے صلیب کے واقعات جو انجیلوں میں مذکور ہیں۔ ان میں نہایت صریح متضاد بیانات پائے جاتے ہیں۔ کیا انہیں ناقابل اعتبار اور ردی بیانات کی بنا پر جو ایکدوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائی مذہب میں مسیح مصلوب گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ حالانکہ ایک بھی قابل اعتبار گواہ صلیب پر مرنے اور جی اُٹھنے کا نہیں ہے۔ اس لئے آج کل کے عیسائی لیڈروں کی نظروں میں مسیح مصلوب اور دوبارہ جی اُٹھا ہوا مسیح بالکل بے حقیقت اور محض لغو باتیں ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے گناہ سے نجات پا جانا ایک دھوکا تھا جو اٹھارہ سو سال عیسائی دنیا کو لگا رہا۔ اور اس قدر عرصہ کے گذرنے کے بعد اب اُس کی حقیقت بھی طشت از بام ہو گئی ہے۔ پس اگر عیسائی صاحبان کے ہاتھ میں کوئی قطعی اور یقینی ثبوت ان واقعات کا ہے۔ تو اُنکو سوائے اسکے اور کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ اسلام کو وہ ایک بڑی بیہودگی یا دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر بیہودگی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک آدمی مر گیا تو اُس کے ساتھ ہی کل دُنیا یا کل عیسائی دنیا میں سے خدا کی نافرمانی کی روح ہی مر گئی۔ حالانکہ یہ نافرمانی کی روح عیسائی دُنیا کے اندر پرورش پا کر ایسی موٹی تازی ہو رہی ہے۔ کہ جس کی نظیر اور کہیں تلاش کرنا عبث ہے۔ لیکن اگر اتنی بات کا کہ مسیح مصلوب ہوا اور جی اُٹھا عیسائیوں کے ہاتھ میں کچھ بھی ثبوت نہیں تو پھر اُن کو چاہیئے کہ بہت جلدی اس دھوکے سے باہر نکلنے کی کوشش کریں جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ اسلام گناہوں سے نجات کا وہ طریق سکھاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے۔ اور جس کا موید خدا کا قانون قدرت بھی ہے۔ اور جو عیسائیوں کے عقائد کے بموجب خود خدا تعالےٰ نے بذریعہ اپنی وحی کے سینکڑوں انسانی نسلوں کو سکھایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ذوے العقول کہلا کر پھر اُس طریق پر حملہ کیا جاوے جو عقل کے مطابق ہے +

یہودیوں میں دہریت: جس پختگی اور مضبوطی سے یہودی لوگ باوجود مختلف ممالک میں تتر بتر ہونے کے اپنی مذہبی رسوم اور عقاید پر جمے رہے ہیں اُس کی نظیر کم دیکھی جاویگی۔ مگر زمانے میں دہریت کی ہوا اس قدر تیز چل رہی ہے۔ کہ نیویارک ایسٹ سائیڈ میں دس ہزار یہودیوں نے کھلے طور پر دہریت کو اختیار کر لیا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ کئی ہزار یہودی دل میں مذہبی عقاید سے بیزار ہیں۔ لیکن بظاہر اُن کو خانگی جھگڑوں کی وجہ سے یا نوکری کے کھوئے جانے کے اندیشہ

سے نہیں چھوڑتے۔ کیا پہلے بھی کسی زمانہ میں دہریت کی ہوا اس قدر تیز ہوئی ہے جبکہ آسمان سے کوئی مصلح پیدا نہ ہوا ہو۔ پھر اس وقت سے بڑھ کر اور کونسا ضرورت کا وقت ہوگا جبکہ خدائیتعالےٰ خود آسمان سے انسانوں کی دستگیری فرماوے۔ اور اپنے کسی مرسل کے ہاتھ پر آسمانی نشان ظاہر فرماکر دوبارہ ایمان کو دلوں میں قائم کرے لیکن عیسائی صاحبان باوجود ہستی باریتعالےٰ کے انکار کی ان تیز و تند ہواؤں کے یہی کہے چلے جاتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے زمانے کے بعد آسمانی نشانوں کی ضرورت ہی نہیں۔ اس زمانہ سے بڑھ کر اور کونسا زمانہ اس امر کا محتاج ہے کہ ایک شخص خدایتعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہو اور اس کی ہستی کے طاقتور نشان ظاہر کرکے دلوں میں یقین اور عرفان کی قوت پیدا کرے۔ ہاں عین اسی وقت پر خدائے تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے بندے **مرزا غلام احمد** کو مسیح کے رنگ میں ظاہر کیا۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ کی ہستی کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ اس کے پاس آویں اور اپنے ایمان کو مضبوط کریں۔ گذشتہ نشانات کے قصص اس وقت کام نہیں دے سکتے۔ بلکہ ایمان اور یقین کے پیدا ہونے کے لئے خدایتعالےٰ کی وحی کے تازہ پانی کی ضرورت ہے +

چند روزہ نکاحوں کی تجویز: یہ کسقدر تعجب کی بات ہے کہ عیسائی ممالک آہستہ آہستہ تمام اسلامی اصولوں کی طرف چلے آتے ہیں۔ اور باینہمہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام مغرب کی تہذیب یافتہ قوموں کے مناسب حال نہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک نکاح کا فسخ کرنا قریباً قریباً ہمیشہ محالات سے سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ تجویز سوسائٹی کے امن میں سخت مخل ثابت ہوئی ہے۔ جیسا کہ اخبار ٹروتھ سیکر لکھتا ہے "کہ ہزارہا مرد و عورت کے جوڑے جو اس عیسائی خیال کے منکر ہیں اور نکاح کو انسانی انتظام سمجھتے ہیں یعنی ایسا انتظام جو ضرورت کے وقت توڑا جا سکتا ہے وہ تو موت کے وقت تک خوشی سے اکٹھے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی ہزارہا جوڑے جو نکاح کے معاہدہ کو ناقابل انفساخ سمجھتے ہیں وہ تمام امور میں سوائے کھانے اور سونے کے اور بعض اوقات ان امور میں بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ایسی زندگیاں بسر کرتے ہیں جو دنیا میں وحشی اور حیوانات بسر کرتے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی عقاید کو آخرکار کیسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسانی حالات اور تقاضاے فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہیں +

مسٹر جارج میریڈیتھ ولایت کا مشہور ناولسٹ نکاح میں ایک ترمیم کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اور وہ

کہتا ہے کہ نکاح کچھ عرصہ کے بعد مثلاً دس سال کے بعد خود بخود فسخ ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ فریقین از سر نو زیادہ خوشحالی کا انتظام کر سکیں۔ ایسی ایسی تجویزیں جو آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اس بات پر شاہد ہیں کہ عیسائیت کے قایم کردہ رواجوں پر لوگ بالکل غیر مطمئن ہو رہے ہیں۔ اگر اس تجویز کی اصل غرض کو ٹٹولا جاوے۔ تو وہ صرف اسیقدر معلوم ہوگی کہ نکاح زیادہ آسانی سے فسخ ہونیکے قابل ہونا چاہیئے کیونکہ انسانی فطرت عیسائی تشدد کی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسلئے اگر طلاق کے معاملہ میں عدالتوں کا دخل نہ رہے۔ تو وہی مطلب زیادہ آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور سوسائٹی اس صورت میں عارضی نکاحوں کے نقصانوں سے بچ رہیگی۔ اگر طلاق کے معاملہ میں عیسائی دنیا صرف اسلامی عقیدہ پر قایم ہو جاوے تو اسکی ساری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر خود بخود وہ ان پاک اصولوں کو اختیار نہ کرینگے۔ تو زمانہ مجبوراً اُن کو انہی اصولوں کی طرف لاویگا اور عیسائی اصولوں کے تشدد کے خلاف اس قسم کی تجویزوں کا پیش ہونا صریح علامت اس بات کی ہے کہ وہ دن قریب ہے۔ جب اسلامی مسئلے عیسائی دنیا میں عام طور پر مقبول ہو جاوینگے +

ماسٹر عبدالرحمن صاحب مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان نے جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا مذہب اسلام کو قبول کیا تھا۔ ایک کتاب بنام اختیار الاسلام تین حصوں میں لکھی ہے۔ جس میں آریہ سماج کے اعتقادات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور نیز یہ دکھایا گیا ہے کہ باوا نانک اصل میں سچے مسلمان تھے۔ کتاب واقعی عمدہ ہے اور طالبان حق کے لئے انشاء اللہ تعالےٰ مفید ثابت ہوگی۔ تینوں حصے کوئی چار سو صفحے کے قریب ہیں اور قیمت...... ۱۲؍ رکھی گئی ہے مصنف سے ملسکتی ہے +

اسلامیہ کالج ماہوار میگزین زبان انگریزی میں اسلامیہ کالج لاہور کی طرف سے نکلنا شروع ہُؤا ہے۔ اس کے ایڈیٹر کالج کے پرنسپل مسٹر عبدالغنی صاحب بی۔ لے ہیں امید کیجاتی ہے کہ اُن سوالوں پر روشنی ڈالکر جو آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ اس میگزین کو طلباء کے لئے مفید بنایا جاویگا۔ اس کا حجم ۱۸ صفحے ہے اور چندہ سالانہ ۳؍ طلباء سے ۲؍

ضیاء الاسلام ایک ہفتہ وار اسلامی مذہبی پرچہ ہے جو امرتسر سے شایع ہوتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوںکے اندرونی جھگڑوں نے یہ اخبار علیحدہ رکھا گیا ہے چندہ سالانہ..

صرف ۱۲ آر ہے +

اگرچہ گھر کے اندر تو بائیبل کی اب کوئی قدر نہیں رہی۔ لیکن دنیا میں اب بھی اس کا بہت شور ہے بائیبل ان دی ورلڈ (یعنی دنیا میں بائیبل) ایک نیا ماہوار میگزین ہے۔ جو بائیبل سوسائٹی لنڈن کی طرف سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اور جس کے یہ اغراض بیان کئے گئے ہیں کہ "یہ رسالہ ماہ بماہ بائیبل سوسائٹی کی کارروائیوں کی اطلاع دیتا رہیگا۔ جیسا جیسا کہ سوسائٹی بغیر کسی تشریح یا نوٹ کے خدا کی کتاب کو تمام قوموں اور تمام زبانوں میں شایع کرتی جاتی ہے"۔ اسمیں شک نہیں کہ بائیبل سوسائٹی کے پاس اس قسم کے رسالوں کے چلانے کے کافی ذرایع موجود ہیں۔ لیکن دو سوال ہیں۔ جن کا جواب امید ہے۔ سوسائٹی کا کوئی نہ کوئی ممبر ضرور دیگا۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار اور عیسائیوں میں سے بڑے بڑے لوگ بائیبل کو خدا کی کتاب سمجھتے ہیں۔ اگر تنقید کے اصولوں پر چلکر عیسائی صاحبان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بائیبل انسانوں کی تصنیف ہے۔ اُن صاحب وحی انسانوں کی نہیں جن کی طرف وہ منسوب ہے۔ بلکہ اُس سے پچھلے زمانہ کے آنیوالے دوسرے لوگوں کی اور اگر اس کے مضامین میں اصلی اور تاریخی واقعات کی نسبت قصہ کہانیوں کی زیادہ آمیزش ہے۔ تو کیا دوسرے لوگوں کو یہ کہنا کہ بائیبل خدا کی کلام ہے صریح دھوکہ نہیں ہے۔ بائیبل کو خدا کا کلام ثابت کرنے کے لئے بائیبل سوسائٹی نے کونسا کام کیا ہے اگر بائیبل سوسائٹی کا وہی اعتقاد ہے۔ جو آج کل کے بڑے بڑے عیسائی فاضلوں اور پروفیسروں کا اعتقاد ہے یعنی یہ کہ بائیبل غلطیوں سے پُر ہے۔ تو بائیبل سوسائٹی کو سوچنا چاہئے کہ ان غلطیوں کو وہ دوسرے ملکوں میں کیوں پھیلا رہی ہے اور اگر ضروری ہی ہے تو پھر اسکا فرض ہے کہ پہلے سچائیوں کو غلطیوں سے الگ کرے اور صرف صداقتوں کی اشاعت کرے اور غلطیوں سے دنیا کو ہلاک نہ کرے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم بائیبل پر کوئی حاشیہ یا نوٹ نہیں چڑھاتے اس کا کیا فائدہ۔ اصل الہامی کلام تو بائیبل سوسائٹی کے ہاتھ میں نہیں اور جو کچھ وہ شایع کر رہی ہے وہ صرف مترجموں کا خیال ہے نہ خدا کے الفاظ۔ کیا بائیبل سوسائٹی کے سینکڑوں بائیبلوں میں کوئی بائیبل ایسی بھی ہے۔ جو خدا کا کلام کہلانے کی مستحق ہو؟ +

عظیم الشان خوشخبری	حضرت مرزا صاحب کی اپیل منظور ہوکر مقدمات کا خاتمہ اُس پیش گوئی کے مطابق ہوگیا جو جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کے رسالہ میں شایع

نقل فیصلہ عدالت اپیل بمقدمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب

مجسٹریٹ صاحب نے واقعات مقدمہ بخوبی طور پر اپنے فیصلہ میں ظاہر کئے ہیں اور ان کے مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے مرزا غلام احمد ملزم پر اثبات جرم زیر دفعہ ۵۰۰ وجکیم فضلدین ملزم پر زیر دفعات ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند قایم کیا ہے۔ انہوں نے علیحدہ علیحدہ اپیل نمبر ۴۲۶ و نمبر ۴۲۵ داخل کی ہیں اور ان کا فیصلہ یکجا ہو سکتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ کتاب مواہب الرحمان کے جسکو ملزم نمبر ۱ نے تصنیف کیا اور ملزم نمبر ۲ نے شایع کیا فی نفسہ مزیل حیثیت عرفی ہیں اور ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ الفاظ لئیم اور بہتان اور کذاب جن کی بابت استغاثہ کیا گیا ہے برے معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں اور ان سے بڑی.... بھاری اخلاقی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ملزمان مستحق بریت کے تھے۔ ملزمان کا اہم عذر یہ تھا کہ مستغیث ان ملامت آمیز الفاظ کا بوجہ مضمون مندرجہ سراج الاخبار مورخہ ۶ و ۱۳- اکتوبر کے مستحق تھا۔ مجسٹریٹ صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ ہتک آمیز مضمون کا ان آرٹیکلوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس بارہ میں ہم مجسٹریٹ صاحب کے نتیجہ کو تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے۔ مستغیث نے بیان کیا ہے کہ اس کی ازالہ حیثیت عرفی کی گئی ہے۔ ملزمان کے پاس ایسی شہادت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستغیث کی کوئی ایسی حیثیت نہیں ہے جسکا ازالہ ہوا۔ ہمکو اس شہادت کا رد کرنا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے جیساکہ مجسٹریٹ صاحب نے کیا ہے کیونکہ بظاہر اس سے جرم بہت خفیف ہو جاتا ہے خواہ ملزمان یہ ثابت نہ کر سکتے کہ انہوں نے یہ کارروائی نیک نیتی سے کی یا کہ اتہام افادۂ عام کے واسطے لگایا گیا تھا۔ ہم یہاں تک بھی کہنے کو تیار ہیں کہ اگر ملزمان کو اس وقت جبکہ انہوں نے اتہام لگایا اس ثبوت کا علم نہ بھی ہوتا کہ وہ اتہام صحیح تھا اور بعد از آں ان کو اُس امر کا علم ہوا ہو تو بھی وہ اپنے جرم کو خفیف بنانے کے واسطے اُس ثبوت کو پیش کرنے کے مجاز تھے۔ مقدمہ ہذا میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ سراج الاخبار کے مضمون کا

ملزمان کی کتاب سے کوئی تعلق نہین ہے - کتاب مذکور کے صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ پر کسی جگہ کوئی
ایسا نہین ہے کہ مستغیث بدینوجہ دروغ گو اور بہتان باندھنے والا اور کمینہ شخص ہے - کہ
اس نے فوجداری استغاثہ کیا یا وہ کرے گا - بلکہ یہ مذکور ہے کہ ایک کمینہ شخص اور بہتان
باندھنے والے شخص کے وجود کی بذریعہ الہام اطلاع ہوئی ہے اور کہ وہ چاہتا ہے وغیرہ
وغیرہ - اگر مستغیث محض نالش فوجداری کرنے کی وجہ سے کمینہ وغیرہ خیال کیا گیا ہوتا
تو الفاظ مثلاً جھوٹے استغاثہ کرنے والا - اپنی قسم کو توڑنیوالا یا جھوٹے گواہان پیش کرنیوالا
کی ہر ایک کو توقع ہو سکتی تھی اور جو صرف متعلق جوڈیشل کارروائی کے سمجھے جا سکتے
بے شک اگر ملزمان نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہوتے تو ان کی طرف سے اپنے طریق
عمل کے جواز کے لیے دیگر اقسام کی اخلاقی لغزشون کا پیش کرنا کافی نہ ہوتا مگر چونکہ صفحات
نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ پر الفاظ محض عام معنون مین استعمال کئے گئے ہین اسواسطے ملزمان کا
پورا پورا حق ہے کہ ان الفاظ کی تشریح کے لیئے وہ مضمون سراج الاخبار کیطرف توجہ دلائین
اسمین کچھ شک نہین کہ فوجداری نالش ہونے کی وجہ سے ملزمان کو اپنا دبا ہوا غصہ مستغیث
پر نکالنے کا موقع ملا - تاہم یہ ضروری نہین ہے کہ ملامت آمیز الفاظ آرٹیکلو نکے باقاعدہ
جواب مین استعمال کئے جانے چاہیئے تھے بلکہ یہی کافی ہے اگر عدالت مین گھسیٹے جانے
پر ہر دو ملزمان کو اپنا غصہ نکالنے کے وقت پر اپنے حریف کو ان ہتک آمیز الفاظ سے
جو کہ استعمال کئے گئے ہین نامزد کرنے کی کافی وجہ تھی - ہماری دانست مین اس پر یقین
کرنا ناممکن تھا کہ ملزم نمبر ا کو مستغیث کا عمل جو کہ سخت ردّ و بدل سے ظاہر ہوا مدنظر نہ تھا -
خطوط جو تین ماہ یا کچھ عرصہ پیشتر شائع کئے گئے جنمے مرزا کے دعاوی کا مضحکہ اُڑایا گیا -
ایک نہایت ہی رنج دہ اور شدید حملہ تھے جو کہ کبھی مستغیث کی طرف سے پہلے نہین ہوا تھا
اور چونکہ آرٹیکلون کی تردید نہین کی گئی ہے اور وہ مستغیث کے نام سے تھے اسلیئے عوام الناس
اور ہر دو ملزمان نے طبعاً مستغیث کے آرٹیکل خیال کیئے - پس ہم مجسٹریٹ صاحب سے
بالکل اختلاف کرتے ہین اور قرار دیتے ہین کہ ہر دو ملزمان ان الفاظ کے جواز ثابت
کرنے کیلیئے جو ان کی کتاب کے صفحات نمبر ۱۲۹ و نمبر ۱۳۰ پر استعمال کئے گئے ہین ۶ - و
۱۳ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کے آرٹیکلونکے حوالہ دینے کے سراسر مستحق ہین - آرٹیکلونکی بابت
یہ کہدینا کافی ہے کہ اُن سے ایک دانستہ منصوبہ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعلسازی

کا ظاہر ہوتا ہے جن پر بے حیائی سے ایک عام اخبار کی سطرون مین دُنیا کے سامنے فخر
کیا گیا ہے۔ ہم خیال نہین کرتے ہین کہ ان آرٹیکلون کا نویسندہ عدالتون سے کسی مدد
حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر ان اشخاص نے جنکا ان خطوط سے مضحکہ اڑایا گیا
رنج اور غصہ مین الفاظ لئیم (کمینہ) یا بہتان یا کذاب (بڑا دروغگو) استعمال کئے ہین ہم
اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہین کہ کس طرح صاحب مجسٹریٹ نے یہ قرار دینے کے
بعد کہ مستغیث نے ہی یہ آرٹیکل لکھے اور فی الواقعہ اسی بنا پر اسپر ایک اور مقدمہ مین
اثبات جرم قایم کیا۔ آرٹیکلون کی طرز تحریر پر غور نہین کی جنسے بہت ادنے درجہ
کے اخلاق ظاہر ہوتے ہین۔ خواہ ملزمان اسوقت باقاعدہ طور پر آرٹیکلو نکا جواب دے
رہے تھے یا نہ دے رہے تھے تاہم حیثیت مستغیث کا موازنہ کرنے مین آرٹیکلو نکو نظرانداز کرنا
ناممکن ہے اور ہمارے خیال مین ہتک آمیز الفاظ کا استعمال یہانتک درست تھا کہ ہم
مستغیث کی مدد نہ کرتے اگر الفاظ مذکور کسی قدر اس سے بڑھکر بھی ہوتے۔ جبکہ بقول
صاحب مجسٹریٹ فریقین ایکدوسرے کے جانی دشمن تھے تو اس صورت مین الفاظ
کی باریک کمی بیشی کے درپے نہین ہونا چاہئے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ کیا مستغیث نے
آرٹیکل لکھے۔ مجسٹریٹ صاحب نے قرار دیا ہے کہ اسی نے لکھے تھے۔ مستغیث پر اثبات
جرم آرٹیکل لکھنے کی بنا پر قایم کیا گیا ہے اور اُسنے ابتک اثبات جرم کی تنسیخ کے
لئے (جسکو قریبًا سہ ماہ گذر چکے ہین) کوئی کارروائی نہین کی۔ آرٹیکلو نپر ملزم کا نام
بطور نویسندہ درج ہے۔ اُسنے تسلیم کیا ہے کہ مین اکثر اوقات سراج الاخبار مین
نامہ نگاری کرتا رہا ہون۔ آرٹیکل ایڈیٹر نے شایع کئے تھے اور اُسنے اُنکو مستغیث کے
آرٹیکل باور کئے تھے۔ مستغیث نے انکی تردید کے بارہ مین یا انکے نویسندہ ہونیسے انکار
کرنیکی بابت کبھی کوئی تحریر اخبار مین نہین بھیجی۔ اندرونی شہادت سے دلالت
ہوتی ہے کہ سوائے مستغیث کے کسی اور نے ان آرٹیکلو نکو تحریر نہین کیا۔ بیشک
مرزا کا کوئی مرید ایسا کام نہین کر سکتا۔ نویسندہ اپنی چالاکی پر نہایت خوش معلوم
ہوتا ہے اور غالبًا اس کارروائی کی عزت کسی اور کو دینا پسند نہین کرتا۔ مستغیث نے
اس تحریر کو جو اسکی بیان کیجاتی ہے شناخت کرنے مین اسقدر ٹال مٹول کیا ہے
کہ ہم اسپر کوئی اعتبار نہین رکھ سکتے۔ وہ ۱۶ - جولائی سنہ ۱۹۰۳ع کو رائے چندو لعل

کے روبرو یقیناً بیان نہین کرسکا کہ آیا آرٹیکل مورخہ ۶- اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء اس نے لکھا تھا اور دیگر دستاویزات کی بابت بھی یہی بیان کیا- سوالات جرح مین اس نے ۱۲- نومبر سنہ ۱۹۰۳ء کو تسلیم کیا تھا کہ فضلدین نے اس سے کتب مانگی تھین اور اس نے اسکے کہنے کی تعمیل کردی تھی اور وہ اسکے قبضہ مین تھین- فی الحقیقت اس امر پر شک کرنا قریباً ناممکن ہی کہ واقعات مندرجہ آرٹیکل مورخہ ۶ و ۱۳- اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء سے مستغیث کا تعلق ظاہر ہوتا ہے- اسواسطے ہمارا اتفاق دیگر عدالتہائے کی رائے سے ہے کہ مستغیث ہی ۶ و ۱۳- اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کے آرٹیکلون مندرجہ سراج الاخبار کا نویسندہ ہے ہمارے خیال مین آخیر امر مین کچھہ شک نہین ہو سکتا کہ یہ قرار دیا جاوے کہ ملزمان نے نیک نیتی سے کارروائی کی + مرزا کے مذہبی دعاوی کا سوال ایک پبلک دلچسپی کا سوال تھا- ہر ایک شخص کو مرزا کی حیثیت کا اندازہ مرزا کے اپنے خیال کے مطابق لگانا چاہیئے- بیشک وہ اپنے آپ کو ایک طرح سے ملہم باور کرتا ہے اور اپنے مریدون اور عوام الناس کے واسطے وہ ان اتہامات کی تردید کرنا جو خود اسکے اور اس کی مذہبی حیثیت اور اعتقادات کے برخلاف لگائے جاوین اپنا فرض سمجھتا ہے- اگر کسی شخص کو ایسے مذہبی مباحثون مین بہت کم دلچسپی ہو تو بھی ہر ایک کو خیال کرنا چاہیئے کہ ان اشخاص کے نیئے جو ان اصولونکے پیرو ہین- وہ بہت وقعت رکھتے ہین- ہم قرار دیتے ہین کہ ملزم نمبر ا جہانتک اس معاملہ کا اس کی ذات سے تعلق تھا اسکے جواب مین اس امر کا بالکل مستحق تھا کہ وہ مستغیث پر ایسا اتہام لگاتا جسکو ہم نے فی الواقعہ راست قرار دیتے ہین اور جو کہ مستغیث کے خود اپنے عمل سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے تاکہ عوام الناس اس امر کا اندازہ لگا سکین کہ مستغیث کے فعل اور قول کی کیا وقعت ہونی چاہیئے- اگر ملزم مستغیث کے سراج الاخبار کے مضامین کو تسلیم کر لیتا تو اس کی مذہبی حیثیت خطرہ مین پڑجاتی اور اگرچہ جہلم مین مقدمات قانونی ہونیکے موقعہ پر مستغیث پر حملہ کرنیکی نسبت کوئی اور بہتر اور زیادہ تر معقول طریق مضامین کی تردید کرنیکا ملزم کو ملسکتا تھا مگر پھر بھی ملزم کسی خاص طریقہ یا وقت یا جگہ کا پابند نہین کیا جا سکتا- اور بیشک وہ علانیہ بمقام جہلم حملہ کرنیمین جسجگہ کھلے طور پر اسکا مضحکہ اڑایا گیا تھا راستی پر تھا- یہ دیکھہ کر کہ کس طرح سے... عدالتہائے نے بالاتفاق قرار دیا ہی کہ مستغیث نے ہی وہ آرٹیکل لکھے تھے- یہ اغلب نہین ہی کہ

المرقوم ۷- جنوری سنہ ۱۹۰۵ء- دستخط مسٹر اے- ای- ہری صاحب بہادر سیشن جج قسمت امرتسر بحروف انگریزی +

حضرت اقدسؑ کا مبارک ارشاد

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت کی یہانتک تاکید فرمائی
تھی کہ اس کی رو سے کوئی ایسی جماعت احمدیہ کا بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور خواہ کسی حیثیت
کا ہو تا اس کی خریداری سے محروم نہ رہتا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد کے بجنسہ تاکیدی الفاظ
یہ تھے "میں **پورے زور** کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا
ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت مالی امداد میں جہانتک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں
اور اس خدمت میں **جان توڑ کوشش کریں**"۔ اس پر ہی اکتفا نہیں فرمائی۔ بلکہ ساتھ
ہی ظاہر فرمایا کہ "اگر بیعت کرنے والے اپنی **بیعت کی حقیقت** پر قائم رہ کر اس بارہ میں
کوشش کریں تو **دس ہزار خریدار** کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ
کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"۔ اور واقعی بات بھی بہت صاف تھی۔ کیونکہ اپنی دو لاکھ سے
بڑھی ہوئی جماعت احمدیہ میں سے پانچ فیصدی احباب بھی کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنتے تو
تعداد خریداری کہیں دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جملہ بھائیوں کے کانوں تک
حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد کے یہ تاکیدی الفاظ نہیں پہنچے۔ چونکہ حضرت اقدسؑ کی فرمائی ہوئی تعداد تک
رسالہ کی تعداد خریداری کے پہنچنے میں ابھی بہت کمی ہے اس لئے ہر ایک بھائی کا فرض ہونا چاہئے کہ اس حکم
سے مطلع ہو کر خود فوراً خریدار رسالہ بنے اور دیگر بھائیوں کو اس حکم سے آگاہ کرے اور دیگر خریدار
پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور [illegible] احباب علاوہ خریداری کے مالی اعانت بھی
بھی حسب توفیق [illegible] فرماویں کہ ثواب عظیم [illegible] اپنے جملہ برادران سے کہ دل
حضرت اقدس کے حکم کی **فوری** تعمیل کے لئے جوش سے بھر جاویں +

منیجر میگزین

اطلاع ضروری

(۱) بموجب **قواعد** رسالہ میگزین کا زرچندہ سالانہ بجز کسی خاص حالات کے پیشگی وصول ہونا چاہئے۔ اس
قاعدہ پر عمل کرنے کی صورت میں خریداران و دفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف رہتا ہے حساب میں کسی قسم کی
پیچیدگی واقع نہیں ہوتی۔ اور پیشگی وصولی میں ایک گونہ کارخانہ ہذا کو بھی امداد ہے اسواسطے جملہ خریداران بقایا کی
خدمت میں ہماری عرض ہے کہ عند اللہ ماجور ہوں۔ سالانہ بقایا کی رقوم کو جلد تر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ ورنہ
وی۔ پی کے پہنچنے پر رقم کی ادائیگی و تعمیل [illegible] فرماویں +

(۲) ترسیل روپیہ یا خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری [illegible] ورنہ شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

(۳) جملہ خط و کتابت متعلق میگزین بنام منیجر صاحب ہونی چاہئے نہ کسی مالک یا منیجر مطبع یا کسی
دیگر صاحب کے نام کیونکہ اس سے حرج و التوائے کام کا احتمال ہے +

منیجر میگزین

کبریت احمر **اجیون بوٹی** کے استعمال سے ایک مہینے میں تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قائم رہتی ہے استعمال کرنے سے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اس سے بڑھکر **مبہی مولد خون صالح مشتہی بدن کو مضبوط اور خوشرنگ بنانے** اور چہرے کی سُرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنیوالی دوائی ایسی آجتک ایجاد نہیں ہوئی۔ اس کا اثر ان اعضاء پر جن پر نسل انسان کی پیدایش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی ہے **کبریت احمر** اس کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضائے تولید کے پژمردہ حصے کو از سر نو بحال کرنیکے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے قیمت فی شیشی عمہ

روغن درد گردہ۔ درد گردہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان یہ عجیب غریب روغن درد گردہ میں خاص کر جب درد کنکری کی وجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کو توڑکر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ **قیمت** فی شیشی عمہ

عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پُر تاثیر بمدت ہر قسم کے **زخموں جراحتوں چوٹوں۔ گلٹیوں خنازیر سرطان طاعون** اور ہر قسم کے خبیث زہریلے **پھوڑوں پھنسیوں ناسوروں گنج۔ خارش بواسیر** اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں ہاتھوں کے سردی سے پھٹ جانے جانوروں کے کاٹ لینے جلجانے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے **ہزارہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں**۔ تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اس کو خالص اجزا سے تیار کرنے کا ذمہ وار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسے کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ر-۱۲ر- فی ڈبیہ کلاں عہر +

عمدۃ التقویم ۱۹۰۴ء مفت	**حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسے نولکھا لاہور سے طلب کرو**	رسالہ آئینہ صحت نما مفت

مدرسہ تعلیم الاسلام

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عید الضحیٰ کا مبارک دن قریب آتا ہے اس واسطے چندہ عید فنڈ اور کھال قربانی اور رقم زکوٰۃ وخیرات برائے مساکین ویتامے وجنرل فنڈ مدرسہ کے واسطے برموقعہ یاد دلایا جاتا ہے کہ تمام صاحبان اپنے اپنے گھر سے رقوم جمع کر کے جسقدر جلد ممکن ہوسکے بنام مہتمم مدرسہ ارسال فرماویں۔ کالج بننے اور مدرسہ کے سرکاری منظور ہو جانیکی وجہ سے عمارت اور سامان اور ملازمین مدرسہ اور وظائف غربا اور کتب خانہ وغیرہ امور کے لئے بہت سے فنڈ کی ضرورت ہے جس کا جمع ہونا آپ صاحبان کی توجہ کو چاہتا ہے +

مفتی محمد صادق سپرنٹنڈنٹ وقائمقام ڈائرکٹر کالج وسکول تعلیم الاسلام قادیان

[illegible] نے اپنے مطبع انوار الاسلام میں منیجر کے لئے چھاپا